عزیز حامد مدنی

انتخابِ عزیز حامد مدنی

منتخب بہترین غزلیات و اشعار

شعری سلسلہ

alhamra

انتخابِ عزیز حامد مدنی

انتخاب

احمد جاوید



alhamra

فہرست

غزلیں / نظمیں

دشت امکاں

نخلِ گماں

غزلیات

دشت امکاں

اِنتظار

خواب ہی خواب کہاں تک جھلکیں
خستگی رات کی اٹھتا ہوا درد
آہنی نیند سے بوجھل پلکیں

اوس کھڑکی کے خنک شیشے پر
برص کے داغ کی صورت تارے
طنز اک رات کے آئینے پر

نیند آنکھوں کی بکھر جاتی ہے
سرد جھونکوں میں وہ آہٹ ہے ابھی
جنبش دل بھی ٹھہر جاتی ہے

رات کٹتی نہیں کٹ جائے گی
اور ترے درد کی دنیا اے دوست
وقت کی دھول میں اٹ جائے گی

---- کے نام

خواب کجلا گئے جوانی کے
چھاؤں غم کی دراز ہونے لگی
گردش وقت شعلۂ دل کو
راکھ کے ڈھیر میں سمونے لگی
شوق کے مہر و ماہ زرد ہوئے
اک جہنم کی آگ تھی جن میں
وہ بھی ذرات دل کے سرد ہوئے

اک مسافر تھا کاروان شباب
کھو گیا دشت کے بگولوں میں
برق کی جست و خیز جذب ہوئی
منتشر خواب کے ہیولوں میں
سر سے سودائے سر گیا اے دوست
دامن دل کو جیسے چھوتا ہوا
کوئی جھونکا گزر گیا اے دوست

اس زیاں خانۂ محبت میں
معتبر اک نفس نہیں ہوتا
مرگ موسم کا اک تسلسل ہے
وقت پر کوئی بس نہیں ہوتا
خستگی حاصل سفر ہے آج
چارہ سازی کے اور ہیں آداب
درد کی دھار تیزتر ہے آج

بوئے گل چھیڑتی ہے قصۂ دوش
آنسوؤں سے مہک سی آتی ہے
طنز کرتے ہیں بند دروازے
گرد چوکھٹ کی مسکراتی ہے
اب نہ تو ہے نہ تیرا داماں ہے
رائیگاں ہوگئی متاعِ وفا
زندگی کو تلاشِ عنواں ہے



وصال

خواب و بیداری میں پیہم چشمکیں
جسم اک ٹھہری ہوئی موج خیال
چار سو پر کیف اداسی کا نشہ
کھوئے کھوئے سے درخشاں خدوخال

نرم شاخوں میں وہ مبہم لرزشیں
اجنبی دیسوں کے خوابوں میں طیور
اور وہ آفاق کو چھوتی ہوئی
سرد و آوارہ ہوائیں دور دور

زرد رو مہتاب، ہنگام غروب
وہ شکست جذبۂ دل بستگی
آہ وہ چھوٹی ہوئی نبض وصال
نیم باز آنکھوں میں رنگ خستگی



ایک خط کے جواب میں

ہر سبو میں زہر ہر دامن میں خار
زندگانی کے ہیں کیا کیا غم گسار
ہر خوشی رم خوردہ آہو کی طرح
اور سینے میں اترنے کیلئے
اک برہنہ درد چاقو کی طرح

ذوق نظارہ پہ لاکھوں زہر خند
عہد و پیماں کے ہیں سارے باب بند
خواب کی کتنی طنابیں کٹ گئیں
وہ دہکتے لب وہ بل کھاتی لٹیں
رہگذر کی دھول میں سب اٹ گئیں

ایک کروٹ سو فسانے کہہ گئی
اور تجھ بن سیج سونی رہ گئی
آج کیا افسانہ فردا و دوش

رہ گیا تیرا خیال جاں نواز
نیند کے صحراؤں میں خانہ بدوش

وقت بھی اک کوزہ گر کا چاک تھا
جو اشارہ تھا بہت چالاک تھا
نقش ہائے نو بہ نو کی کارساز
اسکی ہر جنبش تھی ناخن در گرہ
اور غنودہ خاک کے کھلتے تھے راز

وقت کا یہ کھیل حسرت ناک ہے
اور یہ بازار جہاں سفاک ہے
اس کباڑی کی دکاں سے دستیاب
رہ گئے ہیں آج ہم اپنے لئے
گرد آلودہ سبو ٹوٹا رباب



جرم ناکردہ

میری بے خواب ساعتوں کی کفیل
نیند کی کاغذی ردا سے ادھر
جھلملاتی ہے دور اک قندیل
ایک آواز پاس آتی ہے
بام و در کے طویل سایوں میں
ایک پرچھائیں ڈوب جاتی ہے

راہ گیروں کی آہٹوں سے اداس
دور کوسوں کی منزلوں سے کوئی
آنکلتا ہے آپ میرے پاس
شوق کا اولیں وہ دروازہ
نیند اچٹی ہوئی سی پہلے پہل
جرم ناکردہ کا اک اندازہ

تیز سانسوں کی اوٹ میں الفاظ
ایک لمحے کی بے نقابی میں
کتنے نادیدہ آئینوں کا لحاظ
گردش ماہ و سال ٹھہری ہوئی
جسم کی لرزش خفی میں مگر
صورت یک سوال ٹھہری ہوئی

میری تیرہ شبوں سے لڑتی ہے
اس کی پرچھائیں اب بھی پچھلے پہر
وقت کے آئینے پہ پڑتی ہے
میں کبھی کا سنبھل گیا ہوتا
اسکے پیمان دوستی کا کرب
ایک بوسے میں ڈھل گیا ہوتا
خواب کا سلسلہ ہی ٹوٹ گیا
راہ کے موڑ پر وہ چھوٹ گیا



صلیبوں کی اوٹ میں

ہوا کی رو میں لرزتا پرچم
سکون و شورش کا ایک سنگم

شکن شکن اس کی پردہ در ہے جلال انگیز کروٹوں کی
ہر ایک جنبش کھلی ہوئی شاہراہ ہے بیتاب آہٹوں کی
کواڑ ہیں بند اور حویلی میں شمع کی کوئی لو نہیں ہے
غبار رہ سے اٹھی ہوئی کھڑکیوں میں جنبش کی رو نہیں ہے
متھے ہی جاتے ہیں سرد جھونکے مگر اسے آ کے ہر نفس میں
یہ روح آزاد ہے قفس میں

مہیب طوفاں میں کشتی نوح
یہ بطن مادر میں جاگتی روح

یہ اک مقفل کواڑ پر دستکوں کی اک خونچکاں کہانی
یہ ربط لوح و قلم سے اک حرف زندہ افکار کی جوانی
یہ اک ہمکتا ہوا سمندر ہے جزر و مد اس کا کس کے بس میں
یہ موج طوفاں کہ محو بازی گری ہے انبار خار و خس میں
یہ ایک کشتی کہ اپنے دامن میں امن ساحل لئے ہوئے ہے
سکون منزل لئے ہوئے ہے

سکون منزل کی استواری
یہ آمد فصل لالہ کاری

اداس راہوں میں بادلوں کی طرح اڈتی شکستگی سے
جگا رہی ہے فسردگی جہاں کو اک خواب آہنی سے
قدم پکڑتی ہوئی یہ مہماں نواز ویرانیاں ہر اک سو
وہ سرد ٹوٹی ہوئی چٹانوں پہ تیز گندھک کی رینگتی بو
کبھی کبھی سامنے لپک کر یہ راہ کھوٹی بھی کرچکی ہیں
یہ رنگ نشتر اتر چکی ہیں

یہ ایک قندیل کا اجالا
سکوت منظر پہ رونے والا

ہزار صبحوں پہ رات کی تیرگی چھڑکتی رہی سیاہی
کہیں ہدف بن گئی ہے بے روح عیش کی شب کی بے گناہی
سمٹتے نور اور لپٹتی تاریکیوں کے دامن سے جاگ اٹھے ہیں
ہزار کج مج خطوط آوارگی کے مسکن سے جاگ اٹھے ہیں
گذر گیا ہے جلال و جبروت کا شرر ریز دیو پیکر
تہس نہس کرتا ایک لشکر

یہ سر بہ زانو حیات ہر سو
یہ کاوش کائنات ہر سو

کبھی زمیں گیر خواب کا اک لرزتا خانہ بدوش پرتو
کبھی یہ کوہ گراں کے مانند ہر اک نفس ظلمتوں کا پیرو
کہیں کہیں وادیوں میں اک کھیل قلزموں میں اک عہد و پیماں
یہ زندگی سیل تند جولاں رکی ہوئی ایک موج طوفاں

مورخوں کے گراف پر اک خط فراز آشنا کے مانند
کسی سگ خاص کا گلوبند

سوال کرتی اداس آنکھیں
نہ آئیں دنیا کو راس آنکھیں

ہزار دیدہ وری کے خوابوں پہ تکیہ کرتی رہی ہیں اب تک
ہزار آئینہ خانوں کی حیرتیں نکھرتی رہی ہیں اب تک
کہیں لعاب دہن سے دوشیزگی لبوں کی الجھ رہی ہے
ہزار خنزیر راہ میں ہیں ہر ایک کھیتی سمجھ رہی ہے
وہ سرد سیجوں پہ سونے والی برہنہ تصویر جاگ اٹھی ہے
زمیں کی تقدیر جاگ اٹھی ہے

سکوت صحرا کراہتا ہے
خموش رہنا ہی چاہتا ہے

مگر وہ گھوڑے وہ آہنی تند و تیز گھوڑے جو بڑھ رہے ہیں
فراز عالم پہ آندھیوں کی طرح برابر جو چڑھ رہے ہیں
انہیں کی ٹاپوں سے سرد و جامد لہو بکھرتا چلا گیا ہے
زمیں کے سینہ میں ایک چاقو کا پھل اترتا چلا گیا ہے
اور ایک فریاد بے صدا صرف اسکا مرہم بنی ہوئی ہے
سکوت مبہم بنی ہوئی ہے

سکوت مبہم کے یہ دھندلکے
انہیں کے پردوں میں ہیں تہلکے

یہ خواب تریاکیاں میں اک شعلہ جنوں خیز بن چکے ہیں
سلگ اُٹھیں گے کئی نیستاں وہ آتش تیز بن چکے ہیں
یہ ریگ زاروں میں نیم خوابیدہ سی دندک کو جگا رہے ہیں
یہ چپکے چپکے سراب میں اونگھتی چمک کو جگا رہے ہیں
مگر برہمن کے منتروں کا یہ کھیل بھی آج آخری ہے
کہ یہ تہلکوں کی بے پری ہے

سراغ گم گشتگاں کی خاطر
شکست خواب گراں کی خاطر

مسافروں نے ہزار پر ہول بستیوں کی ہے خاک چھانی
کہیں ہیں سنگ نشاں کے مجروح ڈھیر اور انکی تر زبانی
لہو میں ڈوبی ہوئی صلیبوں کے سائے سے پرفشاں ملے ہیں
اجاڑ پامال کھیتیوں میں تھکے ہوئے نوحہ خواں ملے ہیں
بگولے ہنستے اٹھے ہیں نادیدہ منزلوں کا سراغ بن کر
فضا کا چشم و چراغ بن کر

فغاں بہت بے اثر تھی انکی
مگر صداقت پر تھی انکی

اُسی سپر کی شکستہ سامانیوں کے ہیں خونچکاں فسانے
یہ شیون بے کراں کی راتیں لہو میں بھیگے ہوئے زمانے
چراغ کشتہ زمین کے پر شگاف سینوں میں جل اٹھے ہیں
فسردہ کھنڈروں کی روح اٹھی ہے جگمگاتے محل اٹھے ہیں

زمانے جن کی ہر ایک موج نفس سے سو بل نکل رہے ہیں
ہزار عنواں بدل رہے ہیں

ہزار سازوں سے راگ اٹھے ہیں
ہوا کے شیون سے جاگ اٹھے ہیں

ہزار سنگیں تہوں کے دامن سے نیم رخ خال وخط فضا میں
جو نیند کی آہنی مگر پرسکون بے تار و پو ردا میں
حیات دوراں سے بے نیازی کو اپنا مسلک سمجھ رہے تھے
برہمنوں کے فسون خواب گراں سے اب تک الجھ رہے تھے
کہ اُنکی بے جان سرد نبضوں میں وقت کی روح اتر آئے
صنم کدہ ایک آگ برسائے

غنودہ بے روح بستیوں میں
اجاڑ ویران بستیوں میں

سمٹ کے سر گوشیاں سی کرتی رہی ہے شبخون کی حزیں رات
وہ جسکے جابر سکوت کی منتظر تھی روح مسیح و سقراط
یہ اک طلوع سحر صلیبوں کی اوٹ سے زہر کے سبو سے
افق افق اک ندائے تازہ نفس سی ہے ساز کے لہو سے
یہ دور شبخوں طلوع مہر و ندائے شعلہ نفس کی موجیں
یہ زرم جاں روشنی کی فوجیں



نیند

نیند کے حاشیے پہ افسانے
شپرک کی طرح ہیں آویزاں
چند بے برگ و بار ویرانے
بادلوں کی طرح ہیں چھائے ہوئے
چند اترے ہوئے خنک چہرے
ایک بار سکوت اٹھائے ہوئے
پتھروں کے مہیب گرز گراں
استخوانوں کے چند دھندلے ڈھیر
اور افق پر کراہتا سا دھواں

داستاں رہ سپار صدیوں کی
سینہ کوہ دشت میں اب تک
راکھ ہے بے شمار صدیوں کی
کچھ صلیبوں سے خوں ٹپکتا ہوا
وقت ہی اک سوال کی صورت

جسم کے کرب میں لٹکتا ہوا
پتھروں کی فصیل کے اس پار
اگ رہے ہیں زمیں کے سینے سے
زنگ خوردہ ڈراؤنے اوزار

چاند پچھلے پہر نکلتا ہوا
اک اجالا اداس آسیبی
رات کا دامنوں پہ چلتا ہوا
خشکیوں کی حدیث کہتی ہوئی
وقت کی خفتہ پاندی جیسے
بے جہت بے خرام بہتی ہوئی



نیند کی خفتہ پاندی

نیند کی خفتہ پا ندی سے ادھر
دور اک شہر کے در و دیوار
خواب کی بستیوں کے سے آثار
چند پرچھائیوں کے دامن میں
نیم وا اک مکاں کا دروازہ
اور ہوا میں لکیر کی صورت
درد کی ایک رو سبک تازہ

کھڑکیوں کے دبیز شیشوں سے
وہ دبے پاؤں جھانکنے کی رات
وہ اشارے وہ چشمکیں وہ حیات
اک حسیں جسم سے لپٹتی ہوئی
نیم جاں چاند کی پشیماں ضو
وقت کی اوٹ میں سرکتا ہوا
زیر دیوار نیم رخ پرتو

ایک بے خواب و نم فضا کا سکوت

رشتۂ جسم و جاں میں کھویا ہوا

موجِ انفاس میں سمویا ہوا

صبح تک جاگنے کے وہ ہنگام

قہقہے طنز گیت سرگوشی

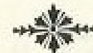
گفتگو کے ہزارہا عنواں

نیند کی خفتہ پا ندی کا خرام

کاٹ کر وقت کے دیاروں کو

چھونے والا ہے آج گام بہ گام

دور اک شہر کے کناروں کو



رصد گاہ

امیدہ وقت کے سایوں سے اس قدر آباد

یہ میرے فن کا فسردہ ملول ویرانہ

در سکوت پہ اُسکے قضا نے حرف لکھے

سمجھ میں آنے لگا کچھ نہ کچھ کنایۂ وقت

ٹھہر ٹھہر کے وہ کلک ہوا نے حرف لکھے

اسی کھنڈر میں ہزاروں چراغ ہیں روشن

یہ ایک بے در و دیوار خانۂ محبوب

یہ لوح سادہ یہ حرفوں کے نیم وا روزن

یہ خلوتیں کہ جہاں نیند کی قناتیں ہیں

کہ تیرے نام سے سرگوشیاں ہیں باتیں ہیں

ہر اک نفس پہ سبک گام درد کی اک رو

ہر ایک چہرۂ ساعت کی اوٹ سے اکثر

یہ نیم رخ ترے چہرے کا دور سے پرتو

یہ زاویے ترے رخ کے یہ فاصلوں کا قیاس
بسا رہے ہیں اک اسلوب تازہ سے مہ و سال
نئی نئی سی کئی بستیاں سر قرطاس
کہیں کہیں ترے قدموں کی آہٹیں اب تک
حروف سادہ میں لیتی ہیں کروٹیں اب تک

کنار جاں میں ہے آباد ایک شہر وصال
یہ تیری یاد سے پرچھائیوں کا ایک ہجوم
یہ موسموں کو بدلتے ہوئے سے خواب و خیال
خنک ہوا میں ہیں آثار ابر و باراں کے
سمو رہا ہے ابھی وقت ان فضاؤں میں
کچھ آنے والے جو موسم ہیں عہد و پیماں کے
ہوائے سرد بھی ہے اک محاورہ اے دوست
یہ تیرا درد بھی ہے اک محاورہ اے دوست

فضائیں دشمن جاں ہیں ہوا حریفانہ
مزاج دان تغیر رہا ہے برسوں سے

یہ میرے فن کا فسردہ ملول ویرانہ
سمندروں کا مد و جزر دشت و در کا غبار
قلم سے الجھے ہوئے صد ہزار تشنہ سوال
رم و سکون و طلوع و غروب کی پیکار
حدیث دل میں ہوئی کس جتن سے صرف نہ پوچھ
سمو رہی ہے ابھی نیک و بد کے ہنگامے
کن آئینوں میں رصدگاہ صوت و حرف نہ پوچھ



سرما کی ایک رات

اس شہر میں رات کا گذرنا
مجرم کی طرح خموش بستی
کہتی ہے کہ آئے ہو تو ٹھہرو
ہر چند محال ہے ٹھہرنا
اے جانِ وفا اُجڑ گئے ہیں
افسردہ مکاں کے در و بام
غرفوں میں شگاف پڑگئے ہیں
سرما کے بھی یخ زدہ سے ناخن
شاخوں کے سڈول بازوؤں میں
پیوست ہوئے ہیں گڑ گئے ہیں

باہر ہے خنک ہوا کی دستک
ہر سایہ سوال کررہا ہے
ٹھہروگے تو یہ بتاؤ کب تک
پہنے ہوئے برف کا لبادہ

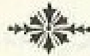
آسیب سا جھانکتا ہے کوئی
شیشوں سے کھڑکیوں کے جھک کر
اور نیلگوں اوس ڈھونڈتی ہے
کھویا ہوا گم شدہ سا جادہ
بکھری ہوئی پتیوں پہ رک کر

تیور ہی خزاں کے بے بدل ہیں
بے مایہ شجر کی زندگی میں
ہر چند کہ پھول ہیں نہ پھل ہیں
لیکن ہے لگن سی کوئی باقی
ہر بیج میں جنبش نمو ہے
وہ برف کی سل سے جھل سکے گی
سینہ سے شجر کے شاخ گل سے
تخلیق حیات ڈھل سکے گی
ہر لمحہ زندگی ہے جنباں
ہر بطن میں اک خموش تاریخ
کروٹ سی ابھی بدل رہی ہے

اس خیمہ برف و باد میں بھی
اب تک پس پردہ تغیر
اک شمع مدام جل رہی ہے

گردوں سے دھواں برس رہا ہے
یہ رات یہ نیلگوں سا کہرا
ویران فضا میں بس رہا ہے
اک فرصت غم ہے زندگانی
ہونٹوں کے ہے دائروں کی تقدیر
اک آدھ سخن کی میزبانی
طاری ہیں ڈرے ہوئے سے انداز
اک ربط کی آرزو میں باتیں
اُچٹی ہوئی نیند کی ہیں غماز
اک سلسلہ غم میں کھو گیا ہے
آنکھوں میں تری ہر ایک لمحہ
پگھلا ہوا موم ہو گیا ہے
ہر خواب ہے آپ ہی تو تعبیر

ہر لمحہ داد خواہ کب تک
آئین وصال و موسم گل
کروٹ کا تری ہے دوسرا نام
موسم ہے تو سد راہ کب تک
کانٹوں میں پلی ہے رات سوجا
مانا کہ حریف کا ہے خنجر
ڈھلتی ہی چلی ہے رات سوجا



مراجعت

ایک شوق خود نمائی کا گداز
تیرے پیکر میں بھی اے آرام جاں
فصل و موسم کے ملے سربستہ راز
خال و خط میں شیشہ ساعت کوئی
رشتہ بیداری فطرت کوئی

ہیئت و ہندسہ کی ترکیبوں سے دور
دھند کی صورت میں ہے چھایا ہوا
وقت کا ایک خواب تعبیروں سے دور
جلد کی تہہ میں گھنی پرچھائیاں
کنج خواب آلودہ کی تنہائیاں

لمحہ اول کا ایک شوق سپاس
وہ زبانِ مار سے ٹپکا ہوا
حرف یک اسرار و صد جاں قیاس

داستاں انگیز سرگوشی تری
نطق سے لبریز خاموشی تری

یہ قبا یہ جلد یہ ترکیب جسم
سلسلے مرگ و نمو کے خون میں
وقت کی یہ قید اک قید طلسم
یہ بہ عنوان رم عمر رواں
تیزتر اک گردش پرکار جاں

رخ کے آئینے پہ اک پیوند گرد
شمعدانوں کے پگھلتے موم سے
استخوانوں تک اترتا ایک درد
بے خط فاصل کبھی ہجر و وصال
یک دگر ہوتی ہوئی موج خیال

کتنے عنوانوں کی الجھائی ہوئی
اب گذرتے وقت کا احساس ہے

ایک خودرو بیل مرجھائی ہوئی
زندگی ویران بستی رہ گئی
آبیاری کو ترستی رہ گئی

فاختاؤں کے پروں کی نرمیاں
نیند کی خنکی میں حل ہوتی رہیں
شوق کی موج نفس کے درمیاں
تہہ بہ تہہ آخر اداسی جم گئی
عمر نو تھی رات کی شبنم گئی

ہر شب تاریک سے تاریک تر
موج خوں میں موت کی اک دھار ہے
خنجر اغیار سے باریک تر
خوش قبائی وقت کی اب کھو چکی
کاوش پیرایۂ جاں ہو چکی

جنبش گہوارہ سلجھاتی رہی

رشتہ لمحات کی کوئی کڑی
قبر تک رشتہ بپا جاتی رہی
تیری نو خیزی کے پیچ و تاب سے
جا ملے ہیں موت کے گرداب سے

آتش جاں سرد ہوتی ہی رہی
زندگانی ہر تغیر وقت کا
تیری مٹی میں سموتی ہی رہی



حفظِ کشت

ابر و باراں میں ایک داد رسی
ہوگیا ہے تپاک مٹی کا
محو صد رشتہائے ہم نفسی
دم بہ دم ہے وہ اضطراب سفال

لہلہاتے ہیں نرم پودوں میں
حرف تازہ خیال کے اشکال
آج موج نفس میں ملتی ہے
درد کی ایک فصل بار آور
سردی خار و خس میں ملتی ہے

اک تغیر بپا ہے کیا کہیے
آب جو میں سبیل گرم روی
درد ہجراں ہوا ہے کیا کہیے
خوشے خوشے میں آشنا انداز
اک وصال نگاہ تا بہ افق

عہد و پیماں کی اک فضائے راز
راز ہر شاخ کے گداز کا ہے
ثمر نیم رس کی بیتابی

وصل آب و ہوا کا یہ افسوں
ہوگیا اضطراب مٹی کا
بازوؤں کی تھکن کا ایک سکوں
پنجروں میں نشان چھوڑ گئیں
بیج میں سر بہ مہر فصلیں تھیں
خشکیوں کی حدوں کو توڑ گئیں
زندگی آفریدہ ہے اب تک
ریگ زاروں کے حبس میں خودرو
سبزۂ نودمیدہ ہے اب تک

سلسلہ کیا ہے یہ خدا جانے
صورتیں تھیں جو خاک کی پیوند
کہہ رہی ہیں گلوں کے افسانے

رات شبنم جو ہو رہی تھی نثار
جانے کس درد کا ہوا محرم
ہم کناری سے سبزۂ دیوار
خاک پامال سے اگا ہوا پھول
کہہ رہا ہے کہ رنگ افشاں ہے
میرے سائے میں اک جگ کی دھول

اس فضا میں بھی ہے فساد ابھی
روندتا کھیتیوں کو گذرے گا
ایک انبوہ شر نژاد ابھی
دشت و در کی فضائیں کہتی ہیں
غول خنزیر کھیتیوں کی طرف
بڑھ رہا ہوائیں کہتی ہیں
دل گیتی کو چیر جاتی ہے
کوس پیلان مست کی آواز
کوہساروں سے لوٹ آتی ہے

مٹ نہ جائیں نمو کے یہ آثار
کم نہادان شوق نکلے ہیں
توڑنے خوشۂ درست عیار
آب و گل کی یہ بارگاہ وصال
آشنایان عالم فطرت
بے سپر کھیتیوں کا کچھ تو خیال
یہ ہوا تیز تر نہ چل جائے
آدمی ہی تو ایک پودا ہے
حاصل کشت ہی نہ جل جائے



غروب

چند چھینٹوں سے مہکی گل رہ گذار
دل میں اتری سنبھلتی ہوئی دور سے
تیز رو نیم رخ ایک چہرے کی دھار
ہر ٹپکتی ہوئی بوند کچھ زخم کے
بیچ کھڑکی کے شیشوں میں بوتی رہی،
اجنبیت کے احساس سے رک گئی
ایک آہٹ ہوا میں بہت آشنا
آ رہی تھی بہت پاس سے رک گئی

تیرگی ہوگئی تیز رو اور کچھ
صیقلِ درد اک آئینہ کر گیا
عافیت کے مس خام کو اور کچھ
سرد قالین پر غول خانہ بدوش
رات کی رات ٹھہرے ہوئے کارواں
گرد اخبار تنکے پڑے ہیں خموش،

دائرے بلب پر نیم لرزاں پتنگ
دائرے حال و فردا کے ملتے ہوئے
وقت ہی روشنی وقت ہی تیرہ رنگ

ختم ہے محفل دوش بیٹھے ہو کیوں
نیم رخ ایک پرچھائیں آہستہ سے
پوچھتی ہے کہ خاموش بیٹھے ہو کیوں
کم کوئی درد ایام ہوتا نہیں
آؤ باہر چلیں حبس سے اور بھی
جی الجھتا ہے کچھ کام ہوتا نہیں
وقت کے اک کھنڈر سے ملاتا رہا
بے حسی کا خنک کوکناری دھواں
ذہن بیدار میں گھر بناتا رہا

بات اب صبح تک جاگنے پر گئی
خانۂ یاس کی مہرباں داشتہ
نیند اک نردباں سے اتر کر گئی

کائی ہے شاخ مرجاں کے قطعات ہیں
اس شبِ بادہ خواری کے قلزم میں بھی
کس قدر جان لیوا نباتات ہیں
رات کی ماہی گیری بھی کیا پائیگی
چند اسپنج اترے ہوئے نشوں کے
صبح دم جال میں لے کے آجائے گی

اے مرے دل ترا تول کب تک الگ
کوئلے کی سلوں میں رہے موجزن
میں بھی ہیرے کی رگ تو بھی ہیرے کی رگ
چند اعداد کے سرد اوزار سے
کاؤنٹر کی پری ایک ایڈنگ مشین
کاٹ سکتی ہے ہیرے کو اک وار سے
مرکز ثقل ہے اک دکان خوش غلاف
نرخ بازار کے دائروں میں ترا
پستیوں کی طرف ہی ملے گا گراف

تیرے محور کی ساری کشش کھوچکی
میرے ننھے سے سورج تجھے کیا خبر
سلک نور ازل کوئلہ ہوچکی
گردشیں ہیں تری سب بگڑتی ہوئی
دیدۂ نم کو تاریکیاں چوم کر
بند کرتی ہیں در قفل جڑتی ہوئی
کتنے ذرے جو سورج کی تقدیر تھے
بے ضیا درد کے نیل سے ہوچکے
لے کے داغ غروب اجل آشنا
سو بھی جا اور خورشید بھی سوچکے



آخری ٹرام

آخری ٹرام لڑکھڑاتی ہوئی
شل، پریشان نیند سے بوجھل
شیڈ کے بازوؤں میں جاتی ہوئی
زنگ آلودہ بریک کی فریاد
کرگئی چند ساعتوں کے لئے
رہگذر کے سکوت کو آباد
کاسۂ ایک خیال کے مانند
نیم روشن سی ایک بالکنی
اک نشان سوال کے مانند
پوچھتی ہے حساب طرز و معاش
اک ہوا سے جو اس اندھیرے میں
راز فطرت کو کررہی ہے تلاش
دور پرچھائیوں کا اک بن ہے
راہ کی ناف سے سرکتا ہوا
اک طرف روشنی کا دامن ہے

اک طرف عافیت کا سرد حصار
گوشۂ چشم پاسباں کی طرح
عصمت زر پہ بینک کی دیوار
دشت و در میں مہیب شور سگاں
بے ضمیری ہوا کی کیا کہئے
بے محافظ ہے عصمت انسان



خود کلامی

"سرحدیں دل کی سیاست کی نہ پوچھ
دائرے، نکتے، لکیریں لاکھوں
صورتیں فہم و فراست کی نہ پوچھ
خردبیں، دیدۂ سفاک عمل
کھیل دانائے نباتات کا ہے
برگ نازک پہ اک آئینِ اجل
آدمی ایک ہدف ہے مری جاں
اک ورق نبض و نفس کا پابند
دیدۂ زیست میں برگ لرزاں"

"بے حسی سے کبھی چالاکی سے
مرتبانوں میں دلوں کے پودے
رکھ دیئے جاتے ہیں سفاکی سے
آگہی کا وہ صنم خانہ ہے
آدمی برگ بریدہ کی طرح

معمل زیست کا نذرانہ ہے
دل رقیب غم ادراک بھی ہے
خردبینوں کی نگاہوں کا حریف
عشق کا دیدۂ نم ناک بھی ہے"

"زندگانی ہے تغیر کی برات
نکتہ چینوں کو خبر کیا ہوگی
تیز تر کب سے نبض اوقات
موج طوفاں کو جگا دیتی ہیں
سوئیاں سرد نشانات کی نبض
دیکھ کر حال بتا دیتی ہیں
میزبانی میں سخن دانی میں
عشق کی سانس اکھڑ جاتی ہے
اس شمار غم انسانی میں"

"نیک و بد، سود و زیاں کے انداز
لکنت آمیز مساوات میں بھی

زندگانی کے ہیں ڈھلتے ہوئے راز
ایک پیکار غم رد و قبول
عشق ناکام کی خودداری پر
ایک شائستگی غم ۔ محصول
یہ کم و کیف کی دنیا یہ حساب
ہر صفر کی نگراں رہتی ہے
ایک ان دیکھے محاسب کی کتاب"



سنبھل نہ پائے تو تقصیر واقعی بھی نہیں
ہر اک پہ سہل کچھ آداب میکشی بھی نہیں

ادھر اُدھر سے حدیث غم جہاں کہہ کر
تری ہی بات کی اور تیری بات کی بھی نہیں

وفائے وعدہ پہ دل نکتہ چیں ہے وہ خاموش
حدیث مہر و وفا آج گفتنی بھی نہیں

بکھر کے حسن جہاں کا نظام کیا ہوگا
یہ برہمی تری زلفوں کی برہمی بھی نہیں

ہزار شکر کہ بے خواب ہے سحر کے لئے
وہ چشم ناز کہ جو جاگتوں میں تھی بھی نہیں

یہ زندگی ہی تلوّن مزاج ہے اے دوست
تمام ترک وفا تیری بے رخی بھی نہیں

تعلقات زمانہ کی اک کڑی کے سوا
کچھ اور یہ ترا پیمان دوستی بھی نہیں

کرم کی وجہہ نہ تھی بے سبب خفا بھی ہے وہ
مزاج حسن سے یہ بات دور تھی بھی نہیں



صلیب و دار کے قصے رقم ہوتے رہتے ہیں
قلم کی جنبشوں پر سر قلم ہوتے ہی رہتے ہیں

یہ شاخ گل ہے آئین نمو سے آپ واقف ہے
سمجھتی ہے کہ موسم کے ستم ہوتے ہی رہتے ہیں

کبھی تیری کبھی دست جنوں کی بات چلتی ہے
یہ افسانے تو زلف خم بہ خم ہوتے ہی رہتے ہیں

توجہ ان کی اب اے ساکنان شہر تم پر ہے
ہم ایسوں پر بہت ان کے کرم ہوتے ہی رہتے ہیں

ترے بند قبا سے رشتہ انفاس دوراں تک
کچھ عقدے ناخنوں کو بھی بہم ہوتے ہی رہتے ہیں

ہجوم لالہ و نسریں ہو یا لب ہائے شیریں ہوں
مری موج نفس سے تازہ دم ہوتے ہی رہتے ہیں

مرا چاک گریباں چاک دل سے ملنے والا ہے
مگر یہ حادثے بھی بیش و کم ہوتے ہی رہتے ہیں



فراق سے بھی گئے ہم وصال سے بھی گئے
سبک ہوئے ہیں تو عیش ملال سے بھی گئے

اسی نگاہ کی نرمی سے ڈگمگائے قدم
اسی نگاہ کے تیور سنبھال سے بھی گئے

غم حیات و غمِ دوست کی کشاکش میں
ہم ایسے لوگ تو رنج و ملال سے بھی گئے

وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے
گئے تو کیا تری بزم خیال سے بھی گئے

ہم ایسے کون تھے لیکن قفس کی یہ دنیا
کہ پر شکستوں میں اپنی مثال سے بھی گئے

چراغ بزم ابھی جان انجمن نہ بجھا
کہ یہ بجھا تو ترے خط و خال سے بھی گئے



ہزار وقت کے پرتو نظر میں ہوتے ہیں
ہم ایک حلقہ وحشت اثر میں ہوتے ہیں

کبھی کبھی نگہ آشنا کے افسانے
اسی حدیث سر رہگذر میں ہوتے ہیں

وہی ہیں آج بھی اس جسم نازنیں کے خطوط
جو شاخ گل میں جو موج گہر میں ہوتے ہیں

کھلا یہ دل پہ کہ تعمیر بام و در ہے فریب
بگولے قالب دیوار و در میں ہوتے ہیں

گذر رہا ہے تو آنکھیں چرا کے یوں نہ گذر
غلط بیاں بھی بہت رہگذر میں ہوتے ہیں

قفس وہی ہے جہاں رنج نو بہ نوائے دوست
نگاہ داری احساس پر میں ہوتے ہیں

سرشت گل ہی میں پنہاں ہیں سارے نقش و نگار
ہنر یہی تو کف کوزہ گر میں ہوتے ہیں

طلسم خواب زلیخا، و دام بردہ فروش
ہزار طرح کے قصے سفر میں ہوتے ہیں



دلوں کی عقدہ کشائی کا وقت ہے کہ نہیں
یہ آدمی کی خدائی کا وقت ہے کہ نہیں

کہو ستارہ شناسو فلک کا حال کہو
رخوں سے پردہ کشائی کا وقت ہے کہ نہیں

ہوا کی نرم روی سے جواں ہوا ہے کوئی
فریب تنگ قبائی کا وقت ہے کہ نہیں

خلل پذیر ہوا ربط مہر و ماہ میں وقت
بتا یہ تجھ سے جدائی کا وقت ہے کہ نہیں

الگ سیاست درباں سے دل میں ہے اک بات
یہ وقت میری رسائی کا وقت ہے کہ نہیں

دلوں کو مرکز اسرار کر گئی جو نگہ
اسی نگہ کی گدائی کا وقت ہے کہ نہیں

تمام منظر کون و مکاں ہے بے ترتیب
یہ تیری جلوہ نمائی کا وقت ہے کہ نہیں



کوئی شاخ آشنا

شہر پر نیلے دھویں کی سامری زنجیر ہے
جل رہا ہے سینۂ خورشید میں داغ غروب
روشنی مجروح طائر کی طرح دل گیر ہے

کچھ غلامان کہن پرچھائیاں حبشی نژاد
کھینچے نکلی ہیں عصیاں کا سبک رفتار رتھ
وقت کی جنبش بدی کے چاک کو دیتی ہے داد

خواب و بیداری کے تیرہ فاصلوں کے درمیاں
کتنے اندیشوں کی بے حلقہ جبیں کھول کر
ناپتا ہے اس خلا کو ایک وقت رائگاں

رات کے ہاتھوں چلے جانے کو ہیں نیلام میں
شہر، بندرگاہ، سیارے، سمندر، روشنی
دور تک بکھری ہوئی اشیا ہیں اک گودام میں

جزر و مد کے بیچ میں ساحل کا ساکت پاؤں ہے
سو رہے ہیں جن جہازوں کے قطار اندر قطار
سینۂ قلزم میں گم ہوتی ہوئی اک چھاؤں ہے

روح قزاق و سکندر گفتگو میں محو ہے
ان حریفان تلاطم سے کبھی سر ہوتا نہیں
قلزم بیتاب کس کی آرزو میں محو ہے

دور تک ہے اس فضا میں خواب و بیداری کی جنگ
شہر سے گذری ہے آوارہ ہوا ترکش بدوش
جانے کس سینہ میں اترے آخر شب کا خدنگ

دور تاریکی کی چادر سے شرر اڑتے ہوئے
رات کے جنگل کا جادو ریلوے کی ورکشاپ
اک دھویں میں آہنی فیلوں کے دل مڑتے ہوئے

اس فضا میں وقت درد ہجر و آغوش وصال
اک ثمر جو نصف تازہ نصف کرم آلودہ ہے
اک حقیقت طالب قرب اور اک دوری کا جال

چشمک ادراک کے خواب جنوں کے مرحلے
طعنۂ نایافت دیتی ایک روح ابر و باد
مرگ کی توسیں تغیر کے ہزاروں سلسلے

اس فضا میں وقت روح جنبش و جان جمود
تتلیوں کے پر پہل روپوں کے نازک جسم میں
استخوانوں سے لپٹتی خستگی کی موج دود

آرزوئے زندگانی اجتناب زندگی
کرب تولید و فشار جاں کنی کی ساعتیں
درد کے اعشاریوں میں اک حساب زندگی

اے دل اے پامال جاناں اے مری بیتاب روح
ڈھونڈھ تو بھی درد کے تنہا نشیمن کے لئے
کوئی شاخ آشنا بے آشیاں بے خواب روح



درونِ خانہ

سرد نیلی اوس میں عریاں بدن
رقصِ بسمل کر رہی ہے رات آج
اک نشیب رہگذر میں بے مکاں
شپرک سایوں کی بے انفاس رو
آبنوسی بازوؤں کے درمیاں
پینگ لیتی تا رگِ جاں آئی ہے
اور اس پتھر کی سل پر معتکف
بے حسی کی سرد بے جاں کائی ہے

دور کچی بارکیں ہیں سرنگوں
آپ خود اپنی ملامت کا ہدف
خشت پردہ دار ہے زار و زبوں
کہنگی کی شرم پر منہ ڈھانپتی
زنگ خوردہ نیم خوابیدہ بسیں
بڑبڑاتی شکوہ کرتی کانپتی

گرد کی لرزاں فصیلوں سے ادھر
ڈھونڈنے نکلی ہیں رمز زندگی
اک سوال غم ہے یہ سودائے سر
کس سے پوچھے کوئی راہ استوار
وقت کی گردش ہے اک طوق سوال
مہر بر لب زندگی ہے سنگسار

وقت کے ذرے لہو میں گڑ گئے
عقرب ساعت کی نیش تیز سے
نیل سے دیوار دل میں پڑ گئے

دل کی دیوار ابد پیوند میں
ہم کنار خشت پردہ دار تھی
روح فردا اک لباس گرد میں
بے عناں موج ہوا کو ٹوکتی
منہدم ہوتی ہوئی دیوار کو
غم کے زخمی بازوؤں سے روکتی

یہ سرا پردہ ہے بے نقش قدم
اے ہوا اس سمت ہے سوئی ہوئی
ساعت آئندگان تازہ دم
دل کی دیوار شکستہ سے اُدھر
سرکشی کی بیل میں کھلتی ہوئی
نرم کلیوں میں نمو ہے کارگر
تازہ بوسوں سے لب پیماں ہے گرم
دل کے سائے میں کھڑی ہے شادمان
روح آدم لے کے اک عصیاں کی شرم
اس سواد وقت بے زنجیر میں
تو کہیں اندر نہ رکھ دینا قدم
عرصہ گاہ خانہ تغیر میں



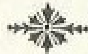
آخری رات

آج مرے دل کی ویرانی
دھیرے دھیرے بول اُٹھی ہے
میرا کام نہیں سمجھانا
لیکن کس کو راس آیا ہے
ایسی رات میں باہر جانا
راہ سوالوں کا اک بن ہے
بے مشعل بے مونس چلنا
یہ سب اک دیوانہ پن ہے
گشت میں ہے کتوال نگر کا
اس کی آنکھوں میں نقشہ ہے
سب گلیوں کا سارے گھر کا
اور تم دیوانے ہو اب تک
پاؤں کا تم کو ہوش نہ سر کا

لیکن مجھ ایسے دیوانے
بیٹھ کے کیسے جی سکتے ہیں
ایسا عشق سبق دیتا ہے
مکتب کے دروازے ہی پر
کفش و کلہ رکھوا لیتا ہے
حرف صداقت لکھواتی ہے
تختی لکھنا کھیل نہیں ہے
دل کی طاقت لکھواتی ہے
دل رکھے تو ہمت رکھے
جرم عشق کیا ہو جس نے
وعدۂ یار کی عزت رکھے
عشق پہ ہے تعزیر پرانی
میرے لب سے کیوں رسوا ہو
اندھوں میں سچ کی عریانی

رات اندھیری ہے اے دلبر
لیکن جب بھی آنکھ لگی ہے

کوئی کرن سا نازک خنجر
دل کے اندر گھوم گیا ہے
دست ستم سے پہلے آکر
میری چوکھٹ چوم گیا ہے



جی ہے بہت اُداس طبیعت حزیں بہت
ساقی کوئی پیالہ ے - آتشیں بہت

دو گز زمیں فریب وطن کے لئے ملی
ویسے تو آسماں بھی بہت ہیں زمیں بہت

ایسی بھی اس ہوا میں ہے اک کافری کی رو
بجھ بجھ گئے ہیں شعلہ ایمان و دیں بہت

بے باکیوں میں فرد بہت تھی - وہ چشم ناز
دل کی حریف ہو کے اٹھی شرمگیں بہت

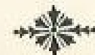
پیکار خیر و شر سے گذر آئی - زندگی
تری وفا کا دور تھا - عہد آفریں بہت

فریاد تھی چکیدۂ خون گلو - تمام
نغمہ بھی ہم صفیر - تھا کار حزیں بہت

اے دل تجھی پہ ختم نہیں داستان عشق
افسانہ خواں ملے - مژہ و آستیں بہت

ایسی ہوا میں گھر سے نکلنے کی جا نہ تھی
ورنہ تمہاری بات کا آتا یقیں بہت

اے انقلاب رنگ طبیعت سنبھالنا
ہم بھی اٹھے ہیں بزم سے اب کے حزیں بہت



فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا
تم کل گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی
(غالب)

نظر میں سلسلۂ روشنی فردا سے
ہوئے ہیں تا بہ افق کچھ سواد پیدا سے ظاہر

ہزار حیف کہ اب میکشوں کو یاد نہیں
روایتیں جو عبارت تھیں جام و مینا سے

مئے کہن کو فسون مسیح دے ساقی
کہ گفتگو ہے حریفان بادہ پیا سے

کسی کی خاک سے مینا کسی کی گل سے سبو
جو میکدے میں تھے لوٹ آئے جا کے دنیا سے

اک اور موج بلا کا سرود غرقابی
مرا سفینۂ غم چاہتا ہے دریا سے

انہیں بھی گردش پرکار آرزو جانو
وہ دائرے جو کھنچے میری لغزش پا سے

اک اور مرحلہ قرب میں ہے عشق کی رات
شب وصال کے بعد اب تری تمنا سے



یہ دنیا ہے ہم مری ضرورت کے لیے کافی نہیں۔

تازہ ہوا بہار کی دل کا ملال لے گئی
پائے جنوں سے حلقۂ گردش حال لے گئی

جرأت شوق کے سوا خلوتیان خاص کو
اک ترے غم کی آگہی تا بہ سوال لے گئی

شعلۂ دل بجھا بجھا - خاک زباں اڑی اڑی
دشت ہزار دام سے موج خیال لے گئی

تیز ہوا کی چاپ سے تیرہ بنوں میں لو اٹھی
روح تغیر جہاں - آگ سے فال لے گئی

نافۂ آہوئے تتار زخم نمود کا شکار
دشت سے زندگی کی رو ایک مثال لے گئی

نرم ہوا پہ یوں کھلے کچھ ترے پیرہن کے راز
سب ترے جسم ناز کے راز وصال لے گئی

ماتم مرگ قیس کی کس سے بنے گی داستاں
نوحۂ بے زباں کوئی چشم غزال لے گئی



شہر کی صُبح

مضمحل تن بہ تقدیر، ٹوٹی بسوں کی قطاروں سے شور فغاں
زخم آلودہ وحشی درندوں کے غوغا کے مانند اُٹھا ہے

اور کھرچنے لگی ہے کسیلے دھویں کے سیاہ لیپ کو
کوئی تازہ خنک روشنی رہگذاروں سے

اور اجالے کی دھندلے کناروں سے
کچا دھواں - کچھ مکانوں سے اُٹھا ہے
نرخ بازار کا اونگھتا جن

نیم وا نیم بستہ دکانوں سے اُٹھا ہے
رات کی رات اک حد مقتل سے نکلا ہوا شہر،
لوٹا ہے طوق گلو لے کے،

اک معبد زندگی کی طرف
اوک میں کچھ لہو لے کے
راہ میں جاں نثاری کی شاخ ابد آشنا سر جھکائے کھڑی ہے
اک نئے سر سے ذوق نمو لے کے، -

اے گھومتے لمحوں کے چاک

رات کی آوارہ روحوں کا شوالہ جاگ اٹھا
اک دھواں مجمر سے اٹھا ہے سوال اندر سوال
شبنم خفتہ کے مس سے داغ لالہ جاگ اٹھا

دور اک واماندۂ شب خستہ سگنل کے قریں
اک پرانے پوسٹر سے جھانکتی ہے روح شہر
اک متاع دست گرداں بے تعلق بے یقیں

مانگتی ہے روح شب بے خوابیاں تاروں سے قرض
بطن بے تقصیر کے نسیاں قبا شہری ہنوز
اک نہ اک نام پدر لیتے ہیں دیواروں سے قرض

مخملی وساہی اندھیرے میں ہیں بے مہری سے داغ
سیب چاقو اکسرے پیوند اور سفاک وقت
وقت ہی اک کشت نو ہے وقت ہی ویران باغ

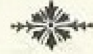
آگہی کی نرم جاں میزاں پہ کہساروں کا بار
روح آبا طفل حیرت آشنا کی آنکھ سے
دیکھتی ہے اب سر مژگاں ہے دیواروں کا بار

آگ پر رکھتی ہے پیکر روح ایجاد نوی
مہر و مہ کے درمیاں کرتی ہے اک مشق خرام
وقت کی زنجیر پر ذرات کی تازہ روی

عدل کے خواہاں ہیں فریادی اندھیری رات میں
ابر و باراں کو پکارا ہے زمیں کی پیاس نے
محو شیون ہیں نباتات جہاں آفات میں

زندگی کو ہے متاع نارسیدہ کی تلاش
روح فردا کو ہے اندیشوں کی اس پہنائی میں
اک سہی قد پیکر ناآفریدہ کی تلاش

اے دم آفاق و بال آتشیں و روح خاک
زندگی محو تغیر ہے تو کیا خط اجل
جان جنبش تو ابد تو گھوم اے لمحوں کے چاک



ز فرق تا بہ قدم - خواب آشنا کہیے
حدیث خال و خط دوست اور کیا کہیے

کبھی تو ذکر حریفان خوش نظر کیجیے
کہیں تو قصۂ یاران بے ریا کہیے

کسی کے سلسلۂ غم کی لاگ رہ جائے
حدیث گل نہ سہی قصۂ صبا کہیے

نظر ہے سلسلۂ خواب صد ہزار اوراق
کہاں کہاں سے گذرنا پڑا ہے کیا کہیے

اسی کی رہگذر پیچ پیچ آتی ہے
کہیں سے قصۂ عمر گریز پا کہیے

کچھ ایسے سوگ میں ڈوبا ہوا ہے پیکر دوست
کہ اس کے بعد غم ہجر و وصل کیا کہیے

نوائے شوق کو زنجیر در گلو لکھیے
سخن کو طائر مجروح کی صدا کہیے

یہ تیرے دور کا اک عہد خوشنوائی ہے
مگر سکوت ہے ایسا کہ مرحبا کہیے



جویان تازہ کاری گفتار - کچھ کہو
تم بھی ہوئے ہو کاشف اسرار کچھ کہو

شیشہ کہیں سے لاؤ شراب فرنگ کا
باقی جو تھی حکایت دلدار کچھ کہو

جانے بھی دو تغیر عالم کی داستاں
کس حال میں ہے نرگس بیمار کچھ کہو

بادل اٹھے ہیں چشمک برق و شرار ہے
منہ دیکھتے ہو صورت دیوار کچھ کہو

مطرب کو تازہ بیت سکھاؤ ہوا ہے نرم
گذرے کسی طرح تو شب تار کچھ کہو

ٹھہرا ہوا ہے وادی غم میں رمیدہ وقت
سمجھو بھی کچھ نزاکت بسیار کچھ کہو

زندہ دلان شوق نے رکھا بہار نام
اک موج خوں گئی سر گلزار - کچھ کہو

آغاز ہر تغیر عالم - کی حد ہوا
اس کی گلی کا سایہ دیوار کچھ کہو

الجھے گا آج جی کہ ہوا پیچ پیچ ہے
بنتا نہیں کوئی رخ گفتار کچھ کہو

سب پیچ و تاب شوق کے طوفان تھم گئے
وہ زلف کھل گئی، تو ہواؤں کے خم گئے

ساری فضا تھی وادی مجنوں کی خوابناک
جو روشناس مرگ محبت تھے کم گئے

اب جن کے غم کا تیرا تبسم ہے پردہ دار
آخر وہ کون تھے کہ بہ مژگان نم گئے

اے جادۂ خرام مہ و مہر - دیکھنا
تیری طرف بھی آج ہوا کے قدم گئے

وحشت سی ایک لالہ خونیں کفن سے تھی
اب کے بہار آئی تو سمجھو کہ ہم گئے

میں اور تیرے بند قبا کی حدیث خاص
نادیدہ خواب عشق کئی بے رقم گئے

ایسی کوئی خبر تو نہیں ساکنان شہر
دریا محبتوں کے جو بہتے تھے تھم گئے



ہوا آشفتہ تر رکھتی ہے ہم آشفتہ حالوں کو
برتنا چاہتی ہے دشت مجنوں کے حوالوں کو

نہ آیا کچھ مگر ہم کشتگان شوق کو - آیا
ہوا کی زد میں آخر بے سپر رکھنا خیالوں کو

خدا رکھے تجھے اے نقش دیوار صنم خانہ
کہیں گے لوگ دیوار ابد - تیری مثالوں کو

اندھیری رات میں اک دشت وحشت زندگی نکلی
چلا جاتا ہوں دامان نظر دیتا اجالوں کو

بجھا جاتا ہے دل سے ایک لعل شب چراغ آخر
کہاں لے جاؤں اس کے ساتھ کے صاحب جمالوں کو

کھڑی ہے تاج پہنے شہر میں خار مغیلاں کا
جواب تازہ دینے زندگی کہنہ سوالوں کو

خیاباں خندقوں میں کھل گئے وہ موج خوں گزری
ہوائے زخمہ ور نے ساز سمجھا ہے نہالوں کو

نکلنے ہی نہ پائے حلقہ دشت تمنا سے
ملی تھی گردش پرکار ایسی کچھ غزالوں کو

سبو میں موجزن آب ضمیر مے گساراں ہے
طلوع صبح تک روشن رکھیں گے ہم پیالوں کو

کبود و سرخ میں تھی نیک و بد میں داغ و درماں میں
ہوا سیاح تھی دیکھ آئی سب غم کے شوالوں کو

تغیر کی زمیں پر آدمی کا تیز رو پرتو
گیا ہے صورت مشعل لئے آئندہ سالوں کو



نم خوردہ بہت شعلہ جاں ہے کہ نہیں ہے
ہر موج نفس آج دھواں ہے کہ نہیں ہے

نازک ہیں بہت اس کے خط و خال کی باتیں
محضر بھی کوئی پردگیاں ہے کہ نہیں ہے

احوال بھی پوچھا تو حریفان جنوں نے
اب داد طلب وحشت جاں ہے کہ نہیں ہے

ویسے تو یہ فرد غم جاں جل نہ سکے گی
شعلہ کوئی نوخیز و جواں ہے کہ نہیں ہے

مجھ کو تو ہے بے خواب ہواؤں کو پرکھنا
آپ اپنی جگہ یہ غم جاں ہے کہ نہیں ہے

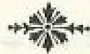
خواب در و دیوار لئے تیز ہوا میں
جاتی ہوئی شب عمر رواں ہے کہ نہیں ہے

ٹوٹا ہوا دل جادہ دریافت پہ رکھنا
بنیادِ تغیر - مری جاں ہے کہ نہیں ہے

ویسے تو محبت میں بہت جی کا زیاں ہے
بے دور محبت بھی زیاں ہے کہ نہیں ہے

جی سن سے ہوا بادہ کشوے کی طلب سے
اس میں بھی کوئی شرط دکاں ہے کہ نہیں ہے

محراب چراغ رخ ایام ہے دنیا
ماتم گہہ چشم نگراں ہے کہ نہیں ہے



نری ہوا کی موج طرب خیز ابھی سے ہے
اے ہم صفیر آتش گل - تیز ابھی سے ہے

اک تازہ تر سواد محبت میں لے چلی
وہ بوئے پیرہن کے جنوں خیز ابھی سے ہے

اک خواب طائران بہاراں ہے اس کی آنکھ
تعبیر ابر و باد سے لبریز ابھی سے ہے

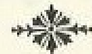
شب تاب ابھی سے اس کی قباؤں کے رنگ ہیں
اک داستاں جبین گہر ریز ابھی سے ہے

گذری ہے ایک رو مژہ خوابناک کی
دل میں لہو کا رنگ بہت تیز، ابھی سے ہے

آئینہ لیکے گھوم گئی عمر نو خرام
تازہ رخی کا موڑ - بلا خیز ابھی سے ہے

مبہم سے ایک خواب کی تعبیر کا ہے شوق
نیندوں میں بادلوں کا سفر تیز ابھی سے ہے

شاید کہ محرمانہ بھی اٹھے تری نگاہ
ویسے تری نگاہ دل آویز ابھی سے ہے



وداع

رات آدھی ہوئی نیت شب حرام
بوئے گل، حرف پیماں سلامت رہے

رات کی نم ہواؤں کی زنجیر میں
کاکلیں کھل گئیں شوق تقصیر میں
رکھ دیئے آئینے کوئے تعبیر میں
خواب نے دست عشاق نے رات نے
عشق بے ساز و ساماں سلامت رہے

کھل اٹھے موج خوں میں گل و یاسمن
سلسلہ یاد کے رشتہائے کہن
مار خفتہ نفس کوئی جی کی لگن
درد کے زہر کا اک پیالہ پیے
جاگ اٹھی ہے غم جاں سلامت رہے

خواب کے دائرے ساعتوں کا دھواں
مہر آتش زدہ بوسہ زم جاں
نیند کے کوئے ویراں کی خاک زیاں
داغ در داغ اڑتی ہوئی آئی ہے
پردۂ کنج ارماں سلامت رہے

زندگی پا برہنہ اکیلی اداس
دیدہ نم سے مانگے ہے تازہ لباس
اور محبت کے ویران معبد کے پاس
اولین جرم کے پھول چنتی ہوئی
محو رم - روح عصیاں سلامت رہے

زانوں پر نشاں حلقہ دام کے
زاویے کچھ نکل آئے ہیں کام کے
روئے قاتل میں روئے دل آرام کے
نیک و بد ایک محور کے طالب ہوئے
زیست کا رمز پنہاں سلامت رہے

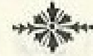
داغ لالہ میں سمٹا سواد نگاہ
درد کی تیز سفاک موج سیاہ
دل کی دیوار تک آگئی گاہ گاہ
زیر آب آگیا شہر اے ساکنو
بیم شب موج طوفاں سلامت رہے

زمزموں کے کئی گھومتے چاک سے
رک گئے منہ پہ آتی ہوئی خاک سے
اڑ گیا طائرے رگ تاک سے
شمع بالیں بجھی خواب صورت گیا
حلقہ دود پیچاں سلامت رہے

ہر نفس مجرم کوچہ ممکنات
ایک بیمار کا خواب وحشت حیات
زخم کے مشعل نیم سوزاں کی رات
خوابِ وحشت سلامت رہے اے جنوں
مشعل نیم سوزاں سلامت رہے

پائے شل کا نشاں، پر شکستہ اسیر
دشت افکار میں زندگی اک لکیر
کوئے حرف و سواد غزل کی صفیر
کچھ نہ کچھ تحفۂ دشت لاتی رہی
وصف خار مغیلاں سلامت رہے

جل گئی پیاس سے تر زباں شاخ گل
کھا گیا دل کو وحشی پرندوں کا غل
زمزموں کے در و بام ویراں ہے کل
قفل نادیدہ جڑتی ہوئی آئی ہے
اک ہوا، اب در جاں سلامت رہے



ناوک تازہ دل پر مارا جنگ پرائی جاری کی
آج ہوا نے زخم کہن میں ڈوب کے تازہ کاری کی

جس کیاری میں پھول کھلے تھے ناگ پھنی سی لگتی ہے
موسم گل نے جاتے جاتے دیکھا کیا دشواری کی

ایک طرف روئے جاناں تھا جلتی آنکھ میں ایک طرف
سیاروں کی راکھ میں ملتی رات تھی اک بیداری کی

کوئے بیاں کی ویرانی سے میرا بھی جی بیٹھ گیا
منہ موڑے آواز کھڑی ہے ساز راہ سپاری کی



نخلِ گماں

موجِ نفس

مایۂ اقلیم جاں رازِ سخن — اے مری موجِ نفس سازِ سخن
تیرے نم سے تازہ برگِ گفتگو — بار آور تجھ سے شاخِ آرزو
لطف تیرا اک طلوعِ آفتاب — بے رخی تیری شبِ ژولیدہ خواب
تیری رو میں سیکڑوں نادیدہ جن — بے لکھے الفاظ کے خوابیدہ جن
محوِ خود بینیِ شب و روزِ حواس — غولِ صحرا کی طرح دھندلے قیاس
تجھ سے کھل اٹھتا ہے دانائی کا رنگ — کنجِ خاموشی میں گویائی کا رنگ
کیف و کم کے دور تک اٹھتے غبار — دم بہ دم تجھ سے تغیر آشکار
شاخِ گل ہے خشک چوبی میں نہاں — چشمۂ آبِ خنک، ریگِ رواں
شیشۂ ساعت میں گردِ موجزن — یک دگر تارِ قبا تارِ کفن
اے چراغِ طاقِ ایوانِ سلف — نسخۂ صد کیمیائے بے تلف
آج لے طبعِ رواں اتنا برس — رنگ پھولوں میں رچا میووں میں رس
موتیوں کی اِک لڑی ایسی اچھال — جس طرح جوبن پہ ہوں گیہوں کے بال
ہے تغیّر کے ورق پر دُور دُور — قرض کب سے تازہ اندیشوں کا نور
یہ زمیں ہے گوئے میدانِ حیات — شش جہت میں ایک چوگانِ حیات
ساعتوں کے چاکِ گرداں بے قیام — بے خطِ فاصل - سوادِ صبح و شام

زندگی لیکن غنودہ سوگوار — بام و در پر موجِ دودِ کوکنار
دورِ کبریتی میں اجزائے جہاں — اک دھواں اک آگ فردائے جہاں
کب سے ہے روئے زمیں پامال سا — کوئلے کا ڈھیر بے اشکال سا
یہ قفس یہ خاکدانِ خاکیاں — صحنِ ویراں میں ہے شورِ ماکیاں
پھر سوادِ شرق ہے تاریک بن — دودھ کے پیالوں پہ ہیں سانپوں کے پھن
ایک سیلِ بے کراں تھمتا ہوا — اک گرہ خوردہ دھواں جمتا ہوا
سرنگوں جذبے سرشتِ خاک کے — نقش سے عاری طبق افلاک کے
مایۂ اقلیمِ جاں رازِ سخن — اے مری موجِ نفس سازِ سخن
ہوگیا ہے سُن مرے سینے کا داغ — روشنی دے کچھ تو لعلِ شب چراغ
حرفِ حق کی کوئی تابندہ دلیل — تازہ تر سقراط کے ہونٹوں کا نیل

بے سخن کیوں ہے لبِ خاموش جاگ
بیتِ نو آغاز و چشمِ ہوش جاگ



سمندر

قلزمِ نیلگوں ترے گرداب

رقص فرمائیں تیز تر ہوجائیں — اک ذرا اور بے خبر ہوجائیں
موج پا بند پیرہن کب ہے — یہ کنارا ترا وطن کب ہے
ایک طفلِ شریر کے مانند — تو نے پہنچائی کشتیوں کو گزند
بھینچ کے مٹھیوں میں چھوڑ دیا — اک کھلونا سمجھ کے توڑ دیا
کتنی پتواروں کے کھلے بازو — جذب کرتے رہے تری خوشبو
موج در موج تیری بے تابی — لم یزل بے کراں یہ بے خوابی
روحِ شام و سحر سنورتی رہی — تجھ سے سرگوشیاں سی کرتی رہی
گیت ملاحوں کے ہواؤں کے راگ — منزلوں کی حدیں سفر کا سہاگ
زہ کمانیں سی بال افشاں تیر — تیری آبی ہتھیلیوں کی لکیر
منتشر ہیں کہانیاں کیا کیا — وقت کی بے کرانیاں کیا کیا

قلزمِ نیلگوں ترے گرداب

رقص فرمائیں تیز تر ہوجائیں اک ذرا اور بے خبر ہوں عنواں
نیم جنبش میں ہوں بہ اذنِ وجود وقت کی انگلیاں حنا آلود
ابرووں پر شکن سی ڈالے ہوئے آبگوں پیرہن سنبھالے ہوئے
نیم عریانیوں میں جسم چرائے وقت کی روح سامنے آجائے
تیرے گرداب تیز تر ہوجائیں اک تغیر کے بال و پر ہوجائیں



ماہی گیروں کی ایک بستی

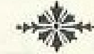
بے خوف بستی الجھن سے آزاد طوفاں سرشت اور ساحل پہ آباد
اشکالِ خود رو صف ہے گھروں کی اک نقش رمال صورت دروں کی
دیوار خستہ، بے رنگ اینٹیں افسوں سا پڑھتی رمال صورت دروں کی
دیوار خستہ، بے رنگ اینٹیں افسوں سا پڑھتی قلزم کی چھینٹیں
چوکھٹ کے دستے سب الٹی مت کے جادو کی مالائیں کھپریل چھت کے
آندھی نے ان میں دروازے چیرے سنکل بجاتی خونی مجیرے
سب لالٹینیں ایسی دھوئیں میں بلّی کی آنکھیں اندھے کنویں میں
مچھلی کی بو میں دھونی رماتے چلتی ہوا کے منہ زور کوڑے
نکلے ہیں یہ بھی دریائی گھوڑے جاگے مچھیرے نیندوں کے ماتے
جالوں کا اک پال قلزم کی تہہ میں مچھلی کا انبار ہے ان کی زہ میں
پانی کے سیاح طوفان زادے پُر پیچ موجیں ان کے لبادے
کشتی ہے ان کے خودِ فلس ماہی طوفاں گزیدہ - قلزم کی راہی
کشتی میں جلتا بجھتا دیا ہے چہروں پہ نیلم پگھلا ہوا ہے
کیسا عقابی ہر بادباں ہے موجِ ہوا کا خود ہم زباں ہے
اے موج قلزم یہ خانوادہ تجھ سے تعلق رکھتا ہے سادہ

طوفاں پہ طوفاں شام اور سویرے　　تو بھی ہے ان کا یہ بھی ہیں تیرے

گیت ان کے سارے تو نے سُنے ہیں　　ان کے سُروں نے طوفاں بنے ہیں

تیرے قدیمی ہم راز ہیں یہ

سب سے پرانی آواز ہیں یہ



آخری سفر

طلوعِ مرگ ہے ہر لمحہ گریزاں سے
لپٹ رہی ہے کوئی دھند مطلعِ جاں سے

سفر نصیب ہے یہ مشتِ خاک ہم نفسو
ہزار کوس کی منزل بھی ہو تو طے ہوجائے
مگر جو باگ اٹھانے میں دیر ہو تو ذرا
اک اور دورِ وفا اور دورِ مے ہوجائے

بجھی نہ پیاس تو کیا زندگی کا میخانہ
کسی پہ قرض کی اک داستاں سناتا رہے
اسی کے نام سے زندہ ہے روحِ تشنہ لبی
جو اس فسانہ میں ٹکڑا کوئی بڑھاتا رہے

مثالِ انجم گرداں ہے رہ نوردیِ شوق
سفر کی گرد جبیں پر ہے کہکشاں کی طرح
رخِ حیات پہ دشتِ بلا کا دامن ہے
زمیں کا دور ہے بے مہر آسماں کی طرح

خرام

کوئے بے تابی نیلی اوس میں محوِ خرام
دودھیاچادر میں اک نازک پری آہستہ گام

نرم دوشیزہ سبک تلووں کا رکھ دیتی تھی بار
رات کی زنجیر پر چلتی تھی کیا دیوانہ وار
جنبشِ دل کی طرح تھا وہ خرامِ تازہ کار
صبح تک اس کے پروں کی جنبشیں تھیں خواب میں
اک ہوا تھی زندگی کے گوشۂ محراب میں

مجھ کو بے حد چھیڑتا تھا اس کے پرچھائیں کا چھل
میری آنکھیں تھیں تعاقب میں بہت پہلے پہل
وہ یہ کہتی تھی ٹھہرنے کا نہیں کوئی محل

پا برہنہ دشت و در میں دور تک جاتا تھا میں
دِل کی کانِ زر کا سونا دے کے ٹھہراتا تھا میں



پچھلے پہر جو تیری حکایت صبا سے تھی
دستک سی در پہ ایک برابر ہوا سے تھی

اوروں میں جا کے رمزِ محبت نہ بھولتی
یہ بھی اُمید اک نگہِ آشنا سے تھی

آخر مجھے جنوں بھی نہیں ہمرہانِ خام
کیوں ناخدا سے ہو جو شکایت خدا سے تھی

وہ دن کہاں گئے کہ محبت کے نام سے
پیدا ہزار رخ کی اشارت ہوا سے تھی

فریاد کے ہوا سر گل صوتِ عندلیب
ہدیہ سا اک قبیلۂ خونیں نوا سے تھی



وہ آئینوں سے بھی چیں بر جبیں ہوئے ہوں گے
بغیر اس کے یہ تیور نہیں ہوئے ہوں گے

مزاج دانِ تغیر کو تا بہ منزلِ شوق
ہزار وہم و گماں بالیقیں ہوئے ہوں گے

وفا کے باب میں یہ شک ابھی غنیمت ہے
کہ بدگماں بھی ہوئے تو ہمیں ہوئے ہوں گے

وہ تیری بزم اور افسردۂ غمِ دنیا
خدا گواہ وہاں ہم نہیں ہوئے ہوں گے

ترے سوا بھی تو عنوانِ قصہ ہائے وفا
ہزار مژہ و آستیں ہوئے ہوں گے

سُنا ہے وہ نظر انداز کر گیا ہم کو
تو مصلحت کے تقاضے یونہی ہوئے ہوں گے

حدیثِ نامہ نویسانِ شہریار نہ پوچھ
صریرِ خامہ پہ وہ نکتہ چیں ہوئے ہوں گے

میرے لبوں پہ نہ رودادِ زخمِ سر آئی
دبی زباں سے یہ قصے کہیں ہوئے ہوں گے



ایک ہی شہر میں رہتے بستے کالے کوسوں دور رہا
اس غم سے ہم اور بھی ہارے وہ بھی تو مجبور رہا

کال تھا اشکوں کا آنکھوں میں لیکن تیری یاد نہ پوچھ
کیا کیا موتی میں بھی فراہم کرنے پر مجبور رہا

وہ اور اتنا پریشاں خاطر ربطِ غیر کی بات نہیں
لیکن اس کے چپ رہنے سے دل کو وہم ضرور رہا

ہم ایسے ناکامِ وفا کے غول میں آکر بیٹھے ہو
دنیا کی تقدیر بدلنا جن کا اک دستور رہا

حُسن کی شرطِ وفا جو ٹھہری تیشہ و سنگِ گراں کی بات
ہم ہوں یا فرہاد ہو آخر عاشق تو مزدور رہا

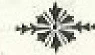
وقت کی بات ہے یاد آجانا لیکن اس کی بات نہ پوچھ
یوں تو لاکھوں باتیں نکلیں تیرا ہی مذکور رہا

اے میرے خورشید شبی کیا وہم طلوع و غروب تھے
ایک تری گردش ایسی تھی خانۂ دل بے نور رہا

عشق بھی مہر بہ لب گزرا ہے دنیا کی کیا جرأت تھی
اس کی نیچی نظروں میں بھی ایسا سخت غرور رہا

ہم سے اس کا ربط جنوں تھا ایک ہنسی کی بات سی تھی
ہم کو آخر کیوں یہ خبط سعی نامشکور رہا

صبح سے چلتے چلتے آخر شام ہوئی اے آوارۂ دل
اب میں کس منزل میں پہنچا اب گھر کتنی دور رہا



کون کہے کدھر چلا یہ تو ندی کا ہے بہاؤ
وقت پہ کیا کسی کا بس دور رہو کہ پاس آؤ

نیتِ عاشقاں کی خیر ہم نفسو ہوا ہے تیز
ہم سے نہ جل سکے چراغ کوئی دیا تمہیں جلاؤ

قصۂ دوستی نہ پوچھ قصۂ دوستی میں ہیں
چبھتے ہوئے ہزار درد دکھتے ہوئے ہزار گھاؤ

قید ہے موسموں کی بھی اور یہ قید بھی نہیں
خونِ دل و جگر سے ہے کشتِ وفا کا سب رچاؤ

گھر کی وہی زمین ہے دور جو کر دے خستگی
چھاؤں کسی درخت کی راہ میں ہو تو بیٹھ جاؤ

دشمن و دوست ہیں ہزار اے مری وسعتِ خیال
دل کا بُنا ہوا یہ جال نازک و نرم ہے لگاؤ

ڈھونڈ کے مرگِ ناگہاں وقت پہ آج آگئی
ہم بھی تھکے ہوئے تھے کچھ تھا بھی یہ آخری پڑاؤ

ایسی بھی ضد کی بات کیا وہ بھی تو آدمی ہی ہے
آؤ ہمیں نکل پڑیں سوچ میں کیا پڑے ہو آؤ



پہاڑوں پر چمکتی بجلیاں نکلیں ادھر چل کر
مری آنکھیں گواہِ طلعتِ آتش ہوئیں جل کر

زباں کا ذائقہ بگڑا ہوا ہے مے پلا ساقی
سمومِ دشت نے سب رکھ دیے کام و دہن تل کر

رموزِ زندگی سیکھے ہیں میرے شوقِ وحشت نے
کئی صاحب نظر زندانیوں کے بیچ میں پل کر

یہ کس ذوقِ نمو کو آج دہرانے بہار آئی
لہو ہم سر فروشوں کا جبینِ ناز پر مل کر

وہ جن کی خو سے کل اک ابرِ تر خوابِ محبت تھا
انھی کو رکھ دیا پھر کیوں کھلے ہاتھوں سے مَل دَل کر

رُخِ دوراں پہ ہے اک نیل سا کربِ تغیّر سے
ورق تانبے کا کھو دیتا ہے رنگت آگ میں گل کر

ہری شمعیں سی انگوروں کی بیلوں میں جو چمکی تھیں
وہی اب سرخ رنگوں میں جلی ہیں جام میں ڈھل کر

وہی اک روئے آتش رنگ ہے ہلکی سی دستک ہے
سمندر پار کی موج ہوا جاتی نہیں ٹل کر

جب آئی ساعتِ بیتاب تیری بے لباسی کی
تو آئینے میں جتنے زاویے تھے رہ گئے جل کر

مہک میں زہر کی اک لہر بھی خوابیدہ رہتی ہے
ضدیں آپس میں ٹکراتی ہیں فرقِ مار و صندل کر

شبِ افسانہ خواں تو شہر کی آخر ہوئی مدنی
کہاں جاتے ہو تم نکلے ہوئے یوں نیند میں چل کر



حکایتِ حسنِ یار لکھنا، حدیثِ مینا و جام کہنا
ابھی وہی کارِ عاشقاں ہے سکوتِ غم کو کلام کہنا

افق تغیّر کی تیز لو سے پگھل رہا ہے بدل رہا ہے
مگر اس احوالِ واقعی کو لکھیں نہ وہ میرے نام کہنا

ہزار ہاتھوں سے میں نے جس کو سنبھال رکھا تھا زندگی میں
چراغ بر کف بساطِ دل پر کھڑی ہوئی ہے وہ شام کہنا

اگر تری آستینِ تر کو خبر نہیں داستانِ غم کی
زمانہ عنوانِ تازہ تر سے سنا گیا ناتمام کہنا

دھوئیں میں اک طائرِ نواگر نے آتشِ گل پہ جان دے دی
رگِ گلو میں جلی ہوئی لے چمک گئی زیرِ دام کہنا

ہم ایسے جادہ طرازِ صحرا نکل ہی آتے ہیں چند آخر
سخن کو اسلوبِ زندگی کا دیا ہے ہم نے ہی نام کہنا

خیالِ یارانِ کو بہ کو سے نظر ہے اک ماتم نظارہ
دمِ حریفانِ بے سبو سے نفس ہے بے ننگ و نام کہنا

ابھی تو کچھ لوگ زندگی میں ہزار سایوں کا اک شجر ہیں
انہیں کے سایوں میں قافلے کچھ ٹھہر گئے بے قیام کہنا

خدا تجھے عافیت کی آبادیوں میں نورس سفیر رکھے
ادھر کے دیوار و در سلامت مری طرف سے سلام کہنا



ہیرے کا ورق

تقویم کا چاک جنتری بھی
تاریخوں کا ایک گھونسلا ہے
بستے ہیں دیو بھی پری بھی

سیاروں کی گردشوں کے اثرات
ہر ساعت سعد و روحِ آفات

اے محوِ جلال نارِ مریخ
ہے بُرج حمل کے دائرے میں
پیدائشِ خوش خبر کی تاریخ

چالاک نظر ہے طبع ادراک
شعلہ کی خار و خس ہے، خوراک

کرتا ہے یہ وقت آپ تشکیل
امروز کے خانۂ اماں میں
ترتیب و دیرپائی تعجیل

نتھری ہوئی بوند کا اضافہ
ہے موجِ خوں میں مشکِ نافہ

ہے تیری جبیں پہ سایہ افگن
تاریخ و ساعتِ ولادت
اک خطِ رہ نوردیِ فن

یہ دن یہ ساعتیں مبارک
دنیا کی راحتیں مبارک

شموں کو بجھا کہ کیک کٹ جائے
اللہ کرے کہ وقتِ حائل
یہ تارِ عنکبوت ہٹ جائے

آئینہ میں مل سکے رخِ گل
خوابوں کے افق پہ آتشِ گل

یاقوت الماس اور زبرجد
اور موجِ خوں کو تری کردے
تریاق یہ خاتم زمرد

آنکھیں ہوں تو زندگی سبق ہے
ہیرے کا کٹا ہوا ورق ہے



دید کا آئینہ

اجنبی ملک کا ریسیپشن رُوم
صاف روشن کشادہ و شاداب
میز پہ اک کلاک اک گلدان
سہ پہر کی وہ ساعتِ نایاب
روشنی چھن کے راز کے مانند
ہوگئی تھی سکوت کا پیوند

اک جہاں دیدہ نرم گو خاتون
ایک آرام دہ نشست پہ تھیں
پاس دیوار و در کچھ ایسا تھا
لاکھ آنکھیں سی سنگ و خشت میں تھیں
سلک کارِ جہاں میں جڑتا ہوا
وقت آہستہ رو تھا مڑتا ہوا

میں نے پوچھا کہ چند لمحوں کی
کیا ملاقات تم سے ممکن ہے
کام کا وقت تو یہ ہے بے شک
کیا کوئی بات تم سے ممکن ہے
پاس ہی مجھ کو کچھ بٹھا کے کہا
ٹیلیفون اس نے یوں اٹھا کے کہا

وہ ابھی آ کے تم سے ملتی ہیں
کیا اسی شہر سے تم آئے ہو
دور افتادہ ایشیا کے خواب
اپنی دریافتوں میں لائے ہو
اور تم اضطراب میں چل کر
آگئیں جیسے خواب میں چل کر
اک دھواں یاد کا سا چہرے پر

برق کی رَو سی آشنائی کی
وقت کے زخم مندمل سے کچھ

اک پرت چھٹ رہی تھی کائی کی
ہم جو تازہ ہوا میں جا نکلے
رخ بھی باتوں کے کیا سے کیا نکلے

نوٹ بک کھو گئی تھی کمرے میں
لیکن اس کی تلاش تھی بے سُود
شعلۂ دل تھا اور رخِ روشن
ساری دنیا تھی ایک موجِ دود
سر پہ لرزاں تھی وقت کی محراب
آنکھوں آنکھوں میں کتنے وصل کے خواب

سو بھی سکتے تھے ہم کہ منزلِ قرب
آدمیت کا اک تقاضا ہے
خاکِ دل کی ہر ایک ذرہ میں
وصل و ہجراں کا اک تماشا ہے
چشمکیں صد ہزار کرتا ہوا
وقت کے ساتھ ہی گزرتا ہوا

مل کے اک کیف شادمانی تھا
خوش تھے آپس میں بات کر کے ہم
وہ جو اک رنگ تھا پسند تمہیں
آسمانی و خواب گوں مبہم
میں اسے ڈھونڈتا ہوا - نکلا
اک جگہ رنگ آشنا - نکلا

جا کے ڈوپانٹ کی دوکاں میں مجھے
ایک اسکارف وہ نظر آیا
سر دوری و قربِ خواب انگیز
ایک صبحِ ازل کا سا سایہ
اک گرہ بندِ زلف و رخ بے نام
ایک برگِ شجر، رُخِ ایام
دید کے آئینہ میں گرداں سا
ایک چہرے کا عکسِ لرزاں سا



شاخ مرجاں

خواب اندر خواب گردش میں رہا
تیرا چہرہ، تیرا آب اندام جسم
عقربِ ساعت سی لرزش میں رہا

ان تہوں میں بھی رہا گستاخ دست
غوطہ زن ہو کر غمِ دوراں بہت
تیرے پرتو نے نہیں کھائی شکست

ایک آبادی تھی جولاں زیرِ آب
مار و ماہی حلقہ زن ہوتے رہے
آئینہ ساماں رہے سب تیرے خواب

گردشوں میں آئے کتنے ماہ و سال
جزر و مد میں قلزمِ تاریک میں
پھول سا کھلتا ہے آئینِ وصال

شاخِ مرجاں تیرا جسمِ نازنیں
لہلہاتا ہے شبِ تاریک میں
خانۂ دل میں چراغِ آتشیں



آخری رات

دلِ بے تاب کا عنوان بدل
آخری رات ہے اے نرم ہوا
تو مری نیند اڑاتے ہوئے چل

پوچھتی ہے یہ مری بے خوابی
وہ جو تقدیرِ سیاست تھا کبھی
کیا ہوا اب وہ غمِ بے تابی

مرے اندیشے خطائیں میری
موت کی نیند میں ڈھل جائینگی
صبح تک ساری وفائیں میری

مژدہ اے کاتبِ تقدیرِ ازل
درِ زنداں پہ کھڑی ہے آکر
شاخِ گل لے کے سیہ پوشِ اجل



حرف و آگہی

اے برادر اے مرے قاری یہ خوابیدہ ورق
محرمِ روحِ تغیّر، پردہ دارِ عشق ہے
خار در دل ہے سزائے آگہی کا اک سبق

جزر و مدِ شوق میں قصے دلِ بے تاب کے
ریزۂ مینائے جاں ہیں چند ٹکڑے خواب کے

حرفِ تازہ بھی رخِ لیلےٰ کے آئینوں میں ہے
آہوؤں کا رم، بگولوں کے وہی آداب ہیں
وحشتِ مجنوں بھی ان الفاظ کے سینوں میں ہے

رشتۂ مہر و وفا کے ٹوٹتے حلقے بھی ہیں
روحِ ہجراں بھی ہے دل کے زخم کچھ گہرے بھی ہیں

داستانِ زندگی سرنامۂ فرہاد ہے
خوابِ شیریں ہے کہ دنیا کارگاہِ شوق ہے
بے ستوں ہی پر جہانِ شوق کی بنیاد ہے

فاصلوں کے غم، دِلوں کی قربتیں خوابیدہ ہیں
شیشہ و سنگِ گراں کی نسبتیں خوابیدہ ہیں

سایۂ گرمِ رقیباں سے ہے سینہ داغ داغ
نوکِ خنجر توڑ دیتا ہے دلِ صد چاک میں
زندگانی کے سیہ خانے میں عشقِ بے چراغ

ڈھانپتی ہے موجِ خوں اپنے ہی اک ملبوس میں
عصمتِ حرفِ وفا کو شیشۂ ناموس میں

نیک و بد کی سرحدوں میں نقدِ جاں کھوتا ہوا
سلطنت کو کفشِ پا سمجھے ہوئے بے خوابِ عشق
بے گنہ آفیلیا کی لاش پر روتا ہوا

دیکھتا ہے اک تحیر خیز طور الفاظ کا
سلسلہ الفاظ اور الفاظ اور الفاظ کا

مدعا پاکر بھی کھونے کی ہے تنہا آگہی
اے برادر اے مرے ہم راز قاری کچھ نہ پوچھ
حرف ہونے یا نہ ہونے کی ہے تنہا آگہی



عشق کی اک بحثِ ردِّ ما و تو تک آئی ہے
ہم کناری کی شبِ تُو گفتگو تک آئی ہے

تجھ سے مل کر مدتوں کے بعد دل ہے شاد کام
دل کی تنہائی دلیلِ آرزو تک آئی ہے

نیم وا آنکھوں میں پاکر اک سوالِ زندگی
عشق کی جرأت جوابِ روبرو تک آئی ہے

بدگماں موجِ ہوا سے ہوں جو دستک دے گئی
کیا تلاشِ شہر میرے سادہ رو تک آئی ہے

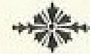
کل جو جزر و مد میں غلطاں تھی بہ ہنگامِ وصال
اب وہ موجِ ساعتِ رفتہ لہو تک آئی ہے

نیند میں اک رو جو تھی اس کے گدازِ جسم میں
بوسۂ لب سے کسی خوابِ نمو تک آئی ہے

اس سے آگے کیا کہیں ہم رمز آئینِ وصال
آخرِ شب محرمانہ گفتگو تک آئی ہے

ہم نے بھی دیکھی ہے تازہ کاریٔ افسونِ حسن
چاکِ دل سے جو گریباں کے رفو تک آئی ہے

یعنی زندانِ وطن میں حدِ آزادی ہے کیا
پھر کوئی زنجیر پا اس جستجو تک آئی ہے



آج مقابلہ ہے سخت میر سپاہ کے لیے
ہوگئے سر کئی قلم ایک کلاہ کے لیے

کھل ہی گیا طلسم دوست عینِ وصال میں کہ تھی
اک شبِ ہجر زندگی لذتِ آہ کے لیے

صورتِ گردِ کارواں ہے غمِ منزلِ جہاں
خوابِ جنونِ تازہ کار چاہیئے راہ کے لیے

آتشِ کیمیا گراں کام نہ آسکی - کوئی
سرمہ ہے خاکِ دل مری چشمِ سیاہ کے لیے

تیرے وصال نے طلب میری خود آگہی بھی کی
ہجر ہزار شب کے بعد ایک نگاہ کے لیے



کچھ تو کھلے یہ درد سا کیا ہے جگر کے پاس
مجھ کو بھی لے چلو کسی صاحب نظر کے پاس

دامن جلا کے آئی ہوا ساکنانِ شہر
کیسی یہ آنچ سی ہے جہانِ خبر کے پاس

رہبر بنی تھی پیاس میں پرواز طائراں
اُترے تلاشِ آب میں ویرانہ تر کے پاس

ساری یہ پیچ و تاب تھی آمد بہار - کی
لائی ہوا کی موج جو زنجیر سر کے پاس

تدبیر چارہ گر سے فزوں تر ہے درد آج
اب دو قدم اجل ہے دھواں ہے نظر کے پاس

تاریخ یادگارِ جنوں ہو کے رہ گیا
اک تیرے خال و خط کا مرقع نظر کے پاس

مدنؔی وصالِ دوست کی قیمت نہ ہو سکی
باقی لہو کی بوند جو تھی چشمِ تر کے پاس



گل کا وہ رخ بہار کے آغاز سے اٹھا
شعلہ سا عندلیب کی آواز سے اٹھا

نودست زخمہ ور نے مٹادی حدِ کمال
پردے جلے تمام دھواں ساز سے اٹھا

جیسے دعائے نیم شبی کا سرور ہو
اک شور میکدے میں اس انداز سے اُٹھا

باقی ابھی ہے تنگی و وسعت میں ایک فرق
اس کو بھی جنبشِ لبِ اعجاز سے اٹھا

عصیاں سرشت و پاکیِ داماں کی اک دلیل
کیا لطف حسنِ تفرقہ پرداز سے اٹھا

کانٹے زمیں سے اور زیادہ ہوئے طلوع
اک مسئلہ بہار کے آغاز سے اُٹھا

بنتی متاعِ کشف تو کیا آئینہ کی چھوٹ
لذت ہی کچھ اشارہ ہمراز سے اٹھا

یارب تُو لاج رکھ میرے شوقِ فضول کی
دنیا ہے نیند میں مری آواز سے اٹھا

اک منظرِ کنارۂ بام اور دے گیا
پرتو سا کوئی اس کے درِ باز سے اٹھا

میں کیا کہ میرے بعد بھی جو لوگ واں گئے
کوئی نہ اس کی انجمنِ ناز سے اٹھا

مدنؔی قفس میں صبح ہوئی اور اس کے بعد
دل سے دھواں بھی حسرتِ پرواز سے اٹھا



کوئی گمانِ تغیّر ضرور تھا پہلے
ہوائے تازہ میں کیا کیا سرور تھا پہلے

خزاں میں بیٹھ گئی لے کے مجھ کو وحشتِ دل
بہار تھی تو جنوں پر عبور تھا پہلے

بتا گئی یہ مجھے ایک تیری لذّتِ قرب
تمام وقفۂ جاں بے حضور تھا پہلے

ہزار ہاتھوں سے تجھ کو سنبھالتا تھا جنوں
ترا وہ حالِ دلِ ناصبور تھا پہلے

خبر نہیں ترا ادراکِ ہمکناری بھی
وفا تھی یا غمِ جاں کا شعور تھا پہلے

گلہ ہے ایک تلوّنِ مزاجِ انساں کا
کوئی پری نہ کوئی رشکِ حور تھا پہلے

تجھے اشارہ غیبی ہوا ہے، خوابِ وصال
یہ آئینہ تری خلوت سے دور تھا پہلے

ہوائے نرم یہ گوشِ وفا میں کہتی ہے
وہ کون ہے جو ترے دل سے دور تھا پہلے

بجھا کے مشعلِ دل بیٹھ کیوں گئے یارو
یہ ترکِ عشق بھی کس کا قصور تھا پہلے

تجھے اے دل نہ جانے کب سے سودائے تغیّر ہے
نظر مجروح ہے اور اک تماشائے تغیّر ہے

رمِ سیارگاں سے شعلۂ خورشید کی رو تک
ہزاروں دائروں میں جنبشِ پائے تغیّر ہے

رمِ ذرات کی جویا ہے روحِ آتشیں کوئی
کوئی ترتیبِ نو سے کار فرمائے تغیّر ہے

بدلتی جا رہی ہے رسم و راہِ دلبری کیا کیا
سرشتِ حسن کیا ہے محفل آرائے تغیّر ہے

یہ دنیا اضطرابِ عشق کو زنجیر کیا کرتی
وہ روحِ عصر خود ہے چشمِ بینائے تغیّر ہے

مجالِ نکتہ چیں تھی عشق پر یوں خندہ زن رہنا
جنوں کی چاک دامانی بھی رسوائے تغیّر ہے

تجھے بھی ساحلِ خوابیدہ کچھ اس کی خبر ہو گی
سمندر کی ہوا میں ایک غوغائے تغیّر ہے



سلگ رہی ہے فضا روئے ہمکناراں سے
رگِ جنوں میں چمک سی ہے بادوباراں سے

صبا گئی تو اُدھر تھی یہ دیکھیے کیا ہو
جنوں کا نام تو زندہ تھا بزمِ یاراں سے

اک اعتبار کی دنیا مٹی کہ ہم نہ رہے
کوئی اٹھے نہ اٹھے کوئے جاں نثاراں سے

حریفِ آتش و آہن نکل ہی آتے ہیں
تمہیں یہ کھیل نہ کرنا تھا وضع داراں سے

لہو سے تر ہیں قمیصیں شبِ مصافِ آخر
خراج لے کے گئی ہے جگر فگاراں سے

وہ ایک صبحِ مسافت بھی یاد کب آئی
اڑی ہے گرد سی جب خیمہ گاہِ یاراں سے

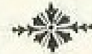
عجیب رنگ میں ٹوٹی ہے نیند کی زنجیر
الجھ کے سلسلۂ خوابِ خوش کناراں سے

اشعار

بنیں گے خواب کے کچھ دائرے سے تا بہ سحر
خرامِ ماہ وشاں رقصِ شب گزاراں سے

سرودِ مطربۂ نو رسا میں جان آئی
دعائے نیم شبی لے کے بادہ خواراں سے

خدا کرے کہ وہ دشمن کا بھی نصیب نہ ہو
مرا جو حال ہوا آمدِ بہاراں سے



دشتِ امکاں

بہترین اشعار

بہت نازک ہے اس نوخیز کا آئین آرائش
حیا پہلے سے بڑھ کر اور سر ناخن، حنا کم کم

حنائے پا سے کھلا اس کا شوق آرائش
نکل چلی تھی وبے پاؤں سادگی آخر

ہزار اس کے تغافل کی داستانیں ہیں
مگر یہ بات کہ وہ بھی ہے آدمی آخر

غم حیات و غم دوست کی کشاکش میں
ہم ایسے لوگ تو رنج و ملال سے بھی گئے

وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے
گئے تو کیا تری بزم خیال سے بھی گئے

چراغ بزم ابھی جان انجمن نہ بجھا
کہ یہ بجھا تو ترے خط و خال سے بھی گئے

کھلا یہ دل پہ کہ تعمیر بام و در ہے فریب
بگولے قالب دیوار و در میں ہوتے ہیں

دشنۂ تیز میں جس زخم کی گہرائی ہے
میرے سینہ میں وہ پہلے سے اتر آئی ہے

میں ترے شہر کے گردوں سے الجھتا ہی رہا
ایک رم خوردہ ستارے کی ضیا کے مانند

بیباکیوں میں فرد بہت تھی - وہ چشم ناز
دل کی حریف ہو کے اٹھی شرمگیں بہت

سب پیچ و تاب شوق کے طوفان تھم گئے
وہ زلف کھل گئی، تو ہواؤں کے خم گئے

اب جن کے غم کا تیرا تبسم ہے پردہ دار
آخر وہ کون تھے کہ بہ مژگاں نم گئے

وحشت سی ایک لالہ خونیں کفن سے تھی
اب کے بہار آئی تو سمجھو کہ ہم گئے

ایسی کوئی خبر تو نہیں ساکنان شہر
دریا محبتوں کے جو بہتے تھے تھم گئے

اک تازہ تر سواد محبت میں لے چلی
وہ بوئے پیرہن کہ جنوں خیز ابھی سے ہے

گذری ہے ایک رو مژہ خوابناک کی
دل میں لہو کا رنگ بہت تیز، ابھی سے ہے

مبہم سے ایک خواب کی تعبیر کا ہے شوق
نیندوں میں بادلوں کا سفر تیز ابھی سے ہے

شاید کہ محرمانہ بھی اٹھے تری نگاہ
ویسے تری نگاہ دل آویز ابھی سے ہے



بہتر اشعار

بیضوی ماہتاب سوئے افق
ایک یرقاں زدہ مریض کی آنکھ

رات کا طنز روشنی کا ہدف
ریگ ساحل سے پر غلیظ صدف
مبتلائے فریب دیدہ وری
صید شورش اسیر خود نگری
محو صد شیوہ ہائے بال و پری

ایک بے خواب دھند میں مستور
اک، معلق بجھا ہوا سا تنور
ربط کی سعی میں ہیں ماضی و حال
پارۂ گوشت بر سر چنگال

چند اُلجھے ہوئے غباروں سے
اور دھندلکوں کے کوہساروں سے
ماہ تاب اور ہم کنار ہوا
میں بھی کیا کیا ذلیل و خوار ہوا
آج سورج کا اعتبار ہوا

خامشی چھیڑتی ہے افسانے
دکھ رہے ہیں کئی پرانے گھاؤ
منت مرہم و دوا سے دور
درد کا زخم زخم ہے پھیلاؤ

رک گیا تیری آہٹیں پاکر
کاروان غم حیات آخر
بس گئی نیند کے دھندلکوں میں
ایک بے خواب کائنات آخر

ایک آدھ حرف غم دنیا میں نہیں تھا
ارباب وفا میں کوئی اتنا بھی نہیں تھا

کہہ سکتے تو احوال جہاں تم سے ہی کہتے
تم سے تو کسی بات کا پردا بھی نہیں تھا

پہلے مری وحشت کے یہ انداز بھی کم تھے
پہلے مجھے اندازۂ صحرا بھی نہیں تھا

اب یہ ہے کہ تھمتا ہوا دریا ہے تیری یاد
بے فیض یہ دریا کبھی ایسا بھی نہیں تھا

وفا کی داستانیں سننے والا کون تھا لیکن
خدا کا شکر ہے دوچار آنکھیں ہوگئیں پُرنم

ترے ہی تذکرے دیوار زنداں سے بھی ہوتے ہیں
کہاں تک ہیں بتا اے فصل گل آخر ترے محرم

ترے آنے سے غم کا کوئی عنواں تو نکل آیا
وگرنہ وقت ہی اک زخم تھا اور وقت ہی مرہم

کیا ہوئے باد بیاباں کے پکارے ہوئے لوگ
چاک در چاک گریباں کو سنوارے ہوئے لوگ

خوں ہوا دل کہ پشیمان صداقت ہے وفا
خوش ہوا جی کہ چلو آج تمہارے ہوئے لوگ

خط معزولی ارباب ستم کھینچ گئے
یہ رسن بستہ صلیبوں سے اتارے ہوئے لوگ

ان کو اے نرم ہوا - خواب جنوں سے نہ جگا
رات میخانہ کی - آئے ہیں گذارے ہوئے لوگ

کوئی بتاؤ کہ ہے بھی تو اس قدر کیوں ہے
ہوا کو میرے گریباں سے دشمنی آخر

ہزار وقت کے پرتو نظر میں ہوتے ہیں
ہم ایک حلقہ وحشت اثر میں ہوتے ہیں

وہی ہیں آج بھی اس جسم نازنیں کے خطوط
جو شاخ گل میں جو موج گہر میں ہوتے ہیں

گذر رہا ہے تو آنکھیں چرا کے یوں نہ گذر
غلط بیاں بھی بہت رہگذر میں ہوتے ہیں

سرشت گل ہی میں پنہاں ہیں سارے نقش و نگار
ہنر یہی تو کف کوزہ گر میں ہوتے ہیں

طلسم خواب زلیخا، و دام بردہ فروش
ہزار طرح کے قصے سفر میں ہوتے ہیں

میں نے اب گھر کی بھی زنداں سے ملادی ہیں حدیں
یوں الگ بیٹھ کے جینے میں بھی رسوائی ہے

کل سے کچھ اور تھا انداز غبار صحرا
شہر میں آج کوئی تازہ خبر آئی ہے

یہ میکدہ ہے اس میں کوئی قحط مے نہیں
چلتے رہیں گے چند سبو دم کئے ہوئے

اللہ رے فیض بادہ پرستان پیش رو
نکلے زمیں سے شیشہ مے کچھ دبے ہوئے

میں بھی تو ایک صبح کا تارہ ہوں تیز رو
آپ اپنی روشنی میں اکیلے چلے ہوئے

کسی سے ہم بھی کہیں اس کی داستان وصال
مگر وہ زلف پریشاں کھلے تو بات چلے

کس انتظار میں تھی روح خود نمائی گل
برس کے ابر بہاراں کھلے تو بات چلے

اس نے کچھ پچھلے پہر گوش محبت میں کہا
نرم شبنم کی طرح، شوخ صبا کے مانند

دیکھ اس راہ میں اے زلف گرہ گیر نگار
اور بھی شوخ ہوائیں ہیں صبا کے مانند

جی ہے بہت اُداس طبیعت حزیں بہت
ساقی کوئی پیالہ مے - آتشیں بہت

دو گز زمیں فریب وطن کے لئے ملی
ویسے تو آسماں بھی بہت ہیں زمیں بہت

ایسی بھی اس ہوا میں ہے اک کافری کی رو
بجھ بجھ گئے ہیں شعلہ ایمان و دیں بہت

پیکار خیر و شر سے گذر آئی - زندگی
تیری وفا کا دور تھا - عہد آفریں بہت

اے دل تجھی پہ ختم نہیں داستان عشق
افسانہ خواں ملے - مژہ و آستیں بہت

ایسی ہوا میں گھر سے نکلنے کی جا نہ تھی
ورنہ تمہاری بات کا آتا یقیں بہت

اے انقلاب رنگ طبیعت سنبھالنا
ہم بھی اٹھے ہیں بزم سے اب کے حزیں بہت

نظر میں سلسلۂ روشنی فردا سے
ہوئے ہیں تا بہ افق کچھ سواد پیدا سے

ہزار حیف کہ اب میکشوں کو یاد نہیں
روایتیں جو عبارت تھیں جام و مینا سے

کسی کی خاک سے مینا کسی کی گل سے سبو
جو میکدے میں تھے لوٹ آئے جا کے دنیا سے

انہیں بھی گردش پرکار آرزو جانو
وہ دائرے جو کھنچے میری لغزش پا سے

اک اور مرحلہ قرب میں ہے عشق کی رات
شب وصال کے بعد اب تری تمنا سے

کچھ کرم ہم گوشہ گیروں پر بھی فرمایا کرو
شہر میں آتے ہی رہتے ہو ادھر آیا کرو

زندگی ہے دام اندر دام دل کی کیا بساط
اک گرفتار بلا کو - لاکھ سمجھایا کرو

میں تو اس کافر کا ہو کر رہ گیا اے ہمدمو
تم تلاش آدمی میں دور تک جایا کرو

روح صد جاں دادگان ابر و باد آوارہ ہے
اس فضا میں شام سے پہلے ہی گھر آیا کرو

یہ شکایت در و بام کیا یہ رباط کہنہ کی رات کیا
کوئی بے چراغ شب وفا ترے شہر میں بھی گزر گئی

اسی زندگی کے ہزار افق اسی زندگی کے ہزار رخ
اسی اک خیال کی رو تھی وہ جو تری جبیں پہ بکھر گئی

ہوا آشفتہ تر رکھتی ہے ہم آشفتہ حالوں کو
برتنا چاہتی ہے دشت مجنوں کے حوالوں کو

نہ آیا کچھ مگر ہم کشتگان شوق کو - آیا
ہوا کی زد میں آخر بے سپر رکھنا خیالوں کو

اندھیری رات میں اک دشت وحشت زندگی نکلی
چلا جاتا ہوں دامان نظر دیتا اجالوں کو

بجھا جاتا ہے دل سا ایک لعل شب چراغ آخر
کہاں لے جاؤں اس کے ساتھ کے صاحب جمالوں کو

کھڑی ہے تاج پہنے شہر میں خار مغیلاں کا
جواب تازہ دینے زندگی کہنہ سوالوں کو

سبو میں موجزن آب ضمیر مے گساراں ہے
طلوع صبح تک روشن رکھیں گے ہم پیالوں کو

کبود و سرخ میں تھی نیک و بد میں داغ و درماں میں
ہوا سیاح تھی دیکھ آئی سب غم کے شوالوں کو

تغیر کی زمیں پر آدمی کا تیز رو پرتو
گیا ہے صورت مشعل لیے آئندہ سالوں کو

نم خوردہ بہت شعلہ جاں ہے کہ نہیں ہے
ہر موج نفس آج دھواں ہے کہ نہیں ہے

ویسے تو یہ فرد غم جاں جل نہ سکے گی
شعلہ کوئی نوخیز و جواں ہے کہ نہیں ہے

مجھکو تو ہے بے خواب ہواؤں کو پرکھنا
آپ اپنی جگہ پہ غم جاں ہے کہ نہیں ہے

خواب در و دیوار لئے تیز ہوا میں
جاتی ہوئی شب عمر رواں ہے کہ نہیں ہے

ٹوٹا ہوا دل جادہ دریافت پہ رکھنا
بنیادِ تغیر - مری جاں ہے کہ نہیں ہے

ویسے تو محبت میں بہت جی کا زیاں ہے
بے دور محبت بھی زیاں ہے کہ نہیں ہے

جی سن سے ہوا بادہ کشو ے کی طلب سے
اس میں بھی کوئی شرط دکاں ہے کہ نہیں ہے

محراب چراغ رخ ایام ہے دنیا
ماتم گہہ چشم نگراں ہے کہ نہیں ہے

زمزمہ پیرا کوئی خونیں نوا ہوجائے گا
جب بہار آئیگی زخم دل ہرا ہوجائے گا

وہ لہو اچھلا بہار تیز رو کی راہ میں
رقص بسمل اب کے خود رقص صبا ہوجائے گا

اس فضا میں ہیں دریدہ بادباں جن کو نصیب
ان سفینوں کا بھی کوئی ناخدا ہوجائے گا

نخلِ گماں



بہترین اشعار

ہوا ایسی نہ وقت ایسا مگر کوئی تغیر ہے
کہ آپ اپنی جگہ لو تیز کردی شعلہ گل نے

کچھ تو کھلے یہ درد سا کیا ہے جگر کے پاس
مجھ کو بھی لے چلو کسی صاحب نظر کے پاس

گل کا وہ رخ بہار کے آغاز سے اٹھا
شعلہ سا عندلیب کی آواز سے اٹھا

میں کیا کہ میرے بعد بھی جو لوگ واں گئے
کوئی نہ اس کی انجمن ناز سے اٹھا

ہزار ہاتھوں سے تجھ کو سنبھالتا تھا جنوں
ترا وہ حال دلِ ناصبور تھا پہلے



بہتر اشعار

سامنے ہے اک غبارِ ماہ و سال
سانس لیتے ہیں شکستہ پر خیال

بیش و کم کا مٹ گیا چیزوں سے گھیر
حافظہ ہے اک ردی کاغذ کا ڈھیر

کھل گیا کوئی جنوں خانے کا در
مار و شاہیں گھٹ گئے دیوار پر

آئینہ لے کر کسی تنہائی کا
جو ملا چہرہ ملا سودائی کا

اب اترتی ہی نہیں آفاق سے
آگ جو جلتی تھی اک چقماق سے

بے فرس ہو کر گرا اک شہسوار
کون ہے تیغ و سپر کا پاس دار

وقت کو کیا کیا تپایا خون میں
موت نے لوہا بجھایا خون میں

آشیاں تارِ نظر ہے زاغ کا
روشنی کے پھل میں کیڑا داغ کا

گنبد گرے پرچم جلے
گھوڑوں کی ٹاپوں کے تلے
سب میر و سلطاں آچلے

برسے ہتوڑے پے بہ پے
آتش نفس گیتوں کی لے
اک سیج پر شمشیر و نے

چیں بر جبیں آفاق ہیں
محلوں کے سونے طاق ہیں
سہمے ہوئے قزاق ہیں

لہو سے تر یہ قمیصیں گواہ ہیں اب تک
کہیں بھی راہِ وفا بے جنوں نہیں رہتی
حریف ہو کے کسی بسملِ شناور کی
ہزار موج ہو یک نیزہ خوں نہیں رہتی

سروں پہ جال سا ہو آتشیں ہواؤں کا
اسی کو اہلِ وفا سائباں سمجھتے ہیں
اجل سے دور جو گذرے تو زندگانی کو
حقیر جانتے ہیں رائیگاں سمجھتے ہیں

اے ہوا پوچھ نہ کچھ میرے سکوتِ دل کی
حبس اک دام رگ و پے میں بچھاتا ہی رہا

سیکڑوں پیکار کے آئیں تھے لیکن ہر مہم
ایک خوابِ خود فراموشی سے سر ہوتی گئی

شہر کی آئینہ بندی کو بھی کل تم دیکھنا
خاکِ دل میری اگر یوں در بہ در ہوتی گئی

غیر کے خیموں میں جا نکلا ہے وہ صاحب جمال
جو بھی کشتِ گل اِدھر تھی سب اُدھر ہوتی گئی

ہزار شمعیں جلائے ہوئے کھڑی ہے خرد
مگر فضا میں اندھیرا ہے درمیاں کیا کیا

کھل کے بکھری بھی بکھرنے میں بھی اے زلفِ دراز
کس قیامت کی رہی تجھ میں شکن کیا کہیے

ایک دو شب سے مرا خوابِ جنوں ایسا ہے
ٹوٹ جاتی ہے کوئی دل میں کرن کیا کہیے

حدیثِ لالہ و گل کا جب اختصار ہوا
بہار تیرے تصور کا ایک نام ہوئی

کس احتیاط سے کتنے جتن سے اٹھی تھی
وہ اک نگاہ جو بیگانۂ پیام ہوئی

فضا ہی گذرے ہوئے کارواں کی یاد میں ہے
مسافرو! یہ کہاں آکے آج شام ہوئی

ہم نہ کہتے تھے محبت میں زیاں ہے اے دوست
کوئی حاصل نہیں اس حاصلِ دشوار کے بعد

دل کو احسانِ وفا یاد دلانے کے لئے
ایک دنیا ہے تیرے سایۂ دیوار کے بعد

تھا بھی کچھ ذکرِ حریفاں سے طبیعت میں سُرور
گفتگو آئی بھی اک ساغرِ سرشار کے بعد

مگر موسم بھی ہے منجملۂ آدابِ بیداری
جگایا شاخِ گل کو خواب سے آوازِ بلبل نے

مزاجِ عشق پر کب تھی گراں یوں تیری دوری بھی
ملا دیں خامکاری سے حدیں تیرے تغافل نے

دمِ سحر نہ کیا وا لبِ سخن ہم نے
بجھا کے دل میں رکھی شمعِ انجمن ہم نے

گیا جو کام سے دستِ جنوں بلا سے گیا
تجھے بھی دیکھ لیا زلفِ پر شکن ہم نے

حساب ہائے غمِ چشم و گوش نکلے ہیں
ہزار طرح کے قِصہ فروش نکلے ہیں

جنوں کے بعد یہ خوابِ جنوں نہ ہو یارب
یہ مرحلے جو بہ عنوان ہوش نکلے ہیں

اسی گلی میں سُنا ہے کہ شورِ محشر ہے
اسی گلی سے تو ہم بھی خموش نکلے ہیں

اک اور دورِ وفا خواب خود فراموش
ہزار عشق کے نکتہ فروش نکلے ہیں

میں اب کے گرفتار ہوں جس کا وہ اگر آئے
ایسا تو کوئی شہر میں شاید ہی نظر آئے

نکلے بھی تھے سیرِ گل و گلزار سمجھ کر
اے وادیِ غم تجھ سے گذرنا تھا گذر آئے

جو زندگی میں ادھوری ہی رہ گئی وہ نیند
جب آگئی تو سرِ نخلِ دار آتی ہے

نہ ذوقِ وصل کچھ ایسا نہ دردِ ہجر ایسا
تجھی سے مل کر نظر شرمسار آتی ہے

اک آدمی سے محبت کے نام پر برسوں
جو گفتگو تھی وہی بار بار آتی ہے

ظلمت و نور کو پیالوں میں سمو دیتی ہے
شام پڑتے ہی تری چشمِ غلافی ساقی

نشۂ مے سے ذرا زخم کے ٹانکے ٹوٹے
تا ابد سلسلۂ سینہ شگافی ساقی

کاٹ دی گردشِ ایام کی زنجیر اس نے
کون ہے گردشِ مینا کے منافی ساقی

ہوا کے غم سے سلگتا رہا سینۂ گل
کوئی تو سینۂ گل کے گداز تک پہنچے

اٹھی ہے صیقلِ دیوانگی کے بعد نگاہ
یہ آئینہ بھی اسی محوِ ناز تک پہنچے

بلائے جزر و مدِ جاں ہے دل کی بے تابی
یہ سلسلہ تری زلفِ دراز تک پہنچے

کوئی تو فرصتِ نظارۂ نیم رخ پرتو
نظر کبھی تو درِ نیم باز تک پہنچے

اے مرے دل شہر کی شمعوں کے اے گرداں لگن!
کیا چٹک کر گر رہے ہیں تجھ میں ان شمعوں کے پھول

رنگ کچھ لائی ہے آخر آئینہ بندیِ شہر
منہ پہ جب آنے لگی ہے رہ گذر کی سرد دھول

وہ ایک رو جو لبِ نکتہ چیں میں ہوتی ہے
سخن وہی دلِ اندوہ گیں میں ہوتی ہے

بہار چاکِ گریباں میں ٹھہر جاتی ہے
جنوں کی موج کوئی آستیں میں ہوتی ہے

وہ خاکِ انجم و مہتاب کو نصیب نہیں
جو موجِ مرگ و نمو کی زمیں میں ہوتی ہے

اس کے پیکر کی جھلک راہوں پہ تھی نزدیک و دور
کل غروبِ مہر تھا اک آئینہ خانہ مجھے

بیٹھو جی کا بوجھ اتاریں دونوں وقت یہیں ملتے ہیں
دور دور سے آنے والے رستے کہیں کہیں ملتے ہیں

وہم بھی ہو جاتا ہے دل کو لیکن اس میں تعجب کیا ہے
ایسے دشت کہ جن میں شمعیں آپ ہی آپ جلیں، ملتے ہیں

تم کو جھوٹا ٹھہرا سکتا کس میں اتنا جس ہے لیکن
ایسے لوگ بہت ہوتے ہیں وعدہ کر کے نہیں ملتے ہیں

کہنہ سرائے کی روشنیوں نے کہہ ہی دیا دیوٹ کے دیوں نے
آؤ آؤ ٹھہرو ٹھہرو مہماں روز نہیں ملتے ہیں

سر کا سودا، پاؤں کی گردش جو بھی سبب ہو ملنے کا
تم تو صاحب کیا ملتے ہو ملتے ہیں تو ہمیں ملتے ہیں

آسیبی سی شمعیں لے کر سیاروں میں گھوم گئی
کوئی ہوا ایسی ہے کہ دُنیا نیند میں اُٹھ کر چلتی ہے

رات کی رات ٹھہرنیوالے وقتِ خوش کی بات سمجھ
صبح تو اک دروازۂ غم پر دنیا آنکھیں ملتی ہے

قندیلِ راہب کا جادہ آسیبی تاروں کے موڑ
کاٹ کے وقت کی اک پرچھائیں خواب نما سی چلتی ہے

شمس و قمر کی خاکستر میں روح تھی اک آرائش کی
دنیا بیچ میں جا کے کھڑی ہے اور لباس بدلتی ہے

پہاڑوں پر چمکتی بجلیاں نکلیں ادھر چل کر
مری آنکھیں گواہِ طلعتِ آتش ہوئیں جل کر

رموزِ زندگی سیکھے ہیں میرے شوقِ وحشت نے
کئی صاحب نظر زندانیوں کے بیچ میں پل کر

یہ کس ذوقِ نمو کو آج ویرانے بہار آئی
لہو ہم سرفروشوں کا جبینِ ناز پر مل کر

وہی اک روئے آتش رنگ ہے ہلکی سی دستک ہے
سمندر پار کی موجِ ہوا جاتی نہیں ٹل کر

جب آئی ساعتِ بیتاب تیری بے لباسی کی
تو آئینے میں جتنے زاویے تھے رہ گئے جل کر

شبِ افسانہ خواں تو شہر کی آخر ہوئی مدنی
کہاں جاتے ہو تم نکلے ہوئے یوں نیند میں چل کر

مانا کہ زندگی میں ہے ضد کا بھی اک مقام
تم آدمی ہو، بات تو کرلو، خدا نہیں

اک گرمیِ جستِ فراست ہے اک وحشتِ پائے محبت ہے
جس پاؤں کی طاقت جی میں ہو وہ ساتھ مرے دو گام چلے

جو بات سکوتِ لب تک ہے اس سے نہ الجھا اے جذبۂ دل
کچھ عرضِ ہنر کی لاگ رہے کچھ میرے جنوں کا کام چلے

اے وادیِ غم یہ موجِ ہوا اک سازِ رہ سپاراں ہے
رکتی ہوئی رو خوابوں کی کوئی یا صبح چلے یا شام چلے

کیا نام بتائیں ہم اس کا، ناموں کی بہت رسوائی ہے
کچھ اب کے بہارِ تازہ نفس اک دورِ وفا بے نام چلے

خدا کا شکر ہے تو نے بھی مان لی مری بات
رفو پرانے دکھوں پر نہیں کیا جاتا

مثالِ برق جو خواب جنوں میں چمکی تھی
اس آگہی کے تعاقب میں ہوں چلا جاتا

لباسِ تازہ کے خواہاں ہوئے ہیں ذرہ و سنگ
اک آئینہ ہے کوئی دور سے دکھا جاتا

جو آگ بجھ نہ سکے گی اسی کے دامن میں
ہر ایک شہر ہے ایجاد کا بسا جاتا

کسی تلاش میں ہے خود طوافِ ذرّات
افق پہ دور تغیر نے باندھ رکھی ہے
ہر ایک رخ پہ کوئی رمز تازہ تر کی قنات

چادر کی تہوں سے آپ چھنتا
اس جسم کے زاویوں کی رو میں
اک برگ سا روشنی کا بنتا

شانوں کے افق دراز بازو
تھا قدِ دراز نے سنبھالا
نازک سا نہفتہ اک ترازو

آنکھوں میں تابِ گفتگو کی
گرمی تھی حرفِ آرزو کی

بندش میں کھنچا ہوا کمر کی
ہرنی کی کمر کا دائرہ تھا
رقاص کبوتروں کے پر کی
جوبن میں تھی خانہ ساز محراب
اک کرۂ آتشیں کے آداب

ضبط کے اندر لپک اٹھی تھی
عمرِ نو میں کششِ وفا سی
گوش میں اک سرگوشی کرتی
گھوم رہی تھی موجِ ہوا سی

ہر تغیر کے لبِ نورس کو
ساعتیں چوم رہی ہیں کیا کیا
یہ جواں رات ہے سیارہ نفس
چرخیاں گھوم رہی ہیں کیا کیا

گرد ہے آئینوں کی اک پیوند
ہر تبسّم صلیب کے مانند

کچھ عجب ظلمتِ بیاباں ہے
زہر آمیز آبِ حیواں ہے

وہ اک حدیثِ نظر جو طلسمِ صحرا تھی
بیاں کرے بھی تو موجِ سراب کس سے کرے

زمینِ گرم اُدھر، خنجر کشیدہ ادھر
نمازِ عشق میں سر اجتناب کس سے کرے

نمود یہ تھی تو کس کام کی تھی سطوتِ موج
شکایتِ رمِ دریا حباب کس سے کرے

تجھے اے دل نہ جانے کب سے سودائے تغیّر ہے
نظر مجروح ہے اور اک تماشائے تغیّر ہے

رمِ سیارگاں سے شعلۂ خورشید کی رو تک
ہزاروں دائروں میں جنبشِ پائے تغیّر ہے

بدلتی جا رہی ہے رسم و راہِ دلبری کیا کیا
سرشتِ حسن کیا ہے محفل آرائے تغیر ہے

تجھے بھی ساحلِ خوابیدہ کچھ اس کی خبر ہوگی
سمندر کی ہوا میں ایک غوغائے تغیّر ہے

اک درِ نیم باز تک ساتھ ہوا کے ہولیا
وحشتِ دشت کی خبر لے کے قدم غبار کا

دورِ تغیّرات نے جادۂ غم ملا دیا
اک مرے ہمکنار سے اک مرے ہمکنار کا

جادہ طرازِ نو بہار آئیں گی منزلیں کڑی
دام و رسن کی راہ بھی دشت بھی نخلِ دار - کا

نرم ہوا سے جل اُٹھیں نبضِ جنوں میں شمعیں سی
اور اگر برس گیا ابر کہیں بہار کا

ہم نشینی سے تری خانۂ دل میں برسوں
اک وہ آرائشِ جاں تھی کہ بتائے نہ بنے

بن سکی مقنع و چادر سے نہ ترکیبِ حجاب
تیرا اسلوب بدن وہ کہ چھپائے نہ بنے

تم نہ نکلو کہ ابھی شہر کی شمعیں گل ہیں
روحِ شب کو ہے کسی گھر کا پتا بھول گیا

نازتھا دل کو جس آئینِ ہم آغوشی پر
وہ بھی، اک حیلہ گرِ مہر و وفا بھول گیا

دل وہ کافر ہے کہ خود دیکھ کے سایہ اپنا
تشنگی ساری، سرِ آبِ بقا بھول گیا



فراق سے بھی گئے ہم وصال سے بھی گئے
سبک ہوئے ہیں تو عیش ملال سے بھی گئے

اسی نگاہ کی نرمی سے ڈگمگائے قدم
اسی نگاہ کے تیور سنبھال سے بھی گئے

غم حیات و غم دوست کی کشاکش میں
ہم ایسے لوگ تو رنج و ملال سے بھی گئے

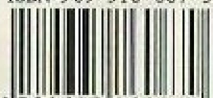
وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے
گئے تو کیا تری بزم خیال سے بھی گئے

ہم ایسے کون تھے لیکن قفس کی یہ دنیا
کہ پر شکستوں میں اپنی مثال سے بھی گئے

چراغ بزم ابھی جان انجمن نہ بجھا
کہ یہ بجھا تو ترے خط و خال سے بھی گئے

Pakistan Rs. 150

ISBN 969- 516- 087- 5



9789695160879

www.alhamra.com